آلِ عمران

(۳)

آلِ عمران

نام اس سورت میں ایک مقام پر ''آلِ عمران'' کا ذکر آیا ہے۔ اسی کو علامت کے طور پر اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور اجزائے مضمون اِس میں چار تقریریں شامل ہیں:

پہلی تقریر آغازِ سورت سے چوتھے رکوع کی ابتدائی دو آیتوں تک ہے، اور وہ غالباً جنگِ بَدر کے بعد قریبی زمانے ہی میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری تقریر آیت اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ (اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر اپنی رسالت کے کام کے لیے منتخب کیا تھا) سے شروع ہوتی ہے اور چھٹے رکوع کے اختتام پر ختم ہوتی ہے۔ یہ ۹ ھ میں وفدِ نَجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی۔

تیسری تقریر ساتویں رُکوع کے آغاز سے لے کر بارھویں رکوع کے اختتام تک چلتی ہے، اور اس کا زمانہ پہلی تقریر سے متّصل ہی معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی تقریر تیرھویں رکوع سے ختمِ سورت تک جنگِ اُحد کے بعد نازل ہوئی ہے۔

خطاب اور مَباحث اِن مختلف تقریروں کو ملا کر جو چیز ایک مسلسل مضمون بناتی ہے، وہ مقصد وُمدّعا اور مرکزی مضمون کی یکسانی ہے۔ سورت کا خطاب خُصُوصیّت کے ساتھ دو گروہوں کی طرف ہے: ایک، اہلِ کتاب (یہود و نصارٰی)۔ دُوسرے، وہ لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔

پہلے گروہ کو اُسی طرز پر مزید تبلیغ کی گئی ہے جس کا سلسلہ سورۂ بَقَرہ میں شروع کیا گیا تھا۔ اُن کی اعتقادی گمراہیوں اور اَخلاقی خرابیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے انھیں بتایا گیا ہے کہ یہ رسول اور یہ قرآن اُسی دین کی طرف بُلا رہا ہے، جس کی دعوت شروع سے تمام انبیاؑ دیتے چلے آئے ہیں اور جو فطرت اللہ کے مطابق ایک ہی دینِ حق ہے۔ اس دین کے سیدھے رستے سے ہٹ کر جو راہیں تم نے اختیار کی ہیں، وہ خود اُن کتابوں کی رُو سے بھی صحیح نہیں ہیں، جن کو تم کُتُبِ آسمانی تسلیم کرتے ہو۔ لہٰذا اس صداقت کو قبول کرو جس کے صداقت ہونے سے تم خود بھی انکار نہیں کرسکتے۔

دُوسرے گروہ کو، جو اَب بہترین اُمّت ہونے کی حیثیت سے حق کا عَلَم بردار اور دُنیا کی اصلاح کا

ذمّہ دار بنایا جا چکا ہے، اُسی سلسلے میں مزید ہدایات دی گئی ہیں، جو سورۂ بَقَرہ میں شروع ہوا تھا۔ انھیں پچھلی اُمتوں کے مذہبی و اَخلاقی زوال کا عبرتناک نقشہ دکھا کر مُتَنَبِّہ کیا گیا ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے سے بچیں۔ انھیں بتایا گیا ہے کہ ایک مصلح جماعت ہونے کی حیثیت سے وہ کس طرح کام کریں اور اُن اہلِ کتاب اور منافق مسلمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں، جو خدا کے راستے میں طرح طرح سے رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ انھیں اپنی اُن کمزوریوں کی اصلاح پر بھی متوجّہ کیا گیا ہے، جن کا ظہور جنگِ اُحُد کے سلسلے میں ہوا تھا۔

اس طرح یہ سورت نہ صرف آپ اپنے مختلف اجزا میں مسلسل و مربوط ہے، بلکہ سورۂ بقرہ کے ساتھ بھی اس کا ایسا قریبی تعلق نظر آتا ہے کہ یہ بالکل اس کا تَتِمَّہ معلوم ہوتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا فطری مَقام بَقَرہ سے متّصل ہی ہے۔

شانِ نزول

سورت کا تاریخی پَس منظر یہ ہے:

(۱) سورۂ بقرہ میں اِس دینِ حق پر ایمان لانے والوں کو جن آزمایشوں اور مصائب و مشکلات سے قبل از وقت مُتَنَبِّہ کر دیا گیا تھا، وہ پوری شدّت کے ساتھ پیش آ چکی تھیں۔ جنگِ بَدر میں اگرچہ اہلِ ایمان کو فتح حاصل ہوئی تھی، لیکن یہ جنگ گویا بِھڑوں کے چھتّے میں پتھر مارنے کی ہم معنیٰ تھی۔ اس اوّلین مسلّح مقابلے نے عرب کی اُن سب طاقتوں کو چونکا دیا تھا، جو اس نئی تحریک سے عداوت رکھتی تھیں۔ ہر طرف طوفان کے آثار نمایاں ہو رہے تھے، مسلمانوں پر ایک دائمی خوف اور بے اطمینانی کی حالت طاری تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مدینے کی یہ چھوٹی سی بستی، جس نے گرد و پیش کی ساری دنیا سے لڑائی مول لے لی ہے، صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالی جائے گی۔ اِن حالات کا مدینے کی مَعاشی حالت پر بھی نہایت بُرا اثر پڑ رہا تھا۔ اوّل تو ایک چھوٹے سے قصبے میں، جس کی آبادی چند سو گھروں سے زیادہ نہ تھی، یکایک مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کے آ جانے ہی سے مَعاشی توازُن بگڑ چکا تھا۔ اس پر مزید مصیبت اس حالتِ جنگ کی وجہ سے نازل ہو گئی۔

(۲) ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطرافِ مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ جو مُعَاہدے کیے تھے، ان لوگوں نے اُن معاہدات کا ذرّہ برابر پاس نہ کیا۔ جنگِ بَدر کے موقع پر ان اہلِ کتاب کی ہمدردیاں توحید و نبوت اور کتاب و آخرت کے ماننے والے مسلمانوں کے بجائے بُت پوجنے والے مشرکین کے ساتھ تھیں۔ بدر کے بعد یہ لوگ کُھلّم کُھلّا قریش اور دُوسرے قبائلِ عرب کو مسلمانوں کے خلاف جوش دِلا دِلا کر بدلہ لینے پر اُکسانے لگے۔ خصوصاً بنی نَضِیر کے سردار کَعب بن اشرف نے تو اس سلسلے میں اپنی مخالفانہ کوششوں کو اندھی عداوت، بلکہ کمینہ پن کی حد تک پہنچا دیا۔ اہلِ مدینہ کے ساتھ ان یہودیوں کے ہمسائگی اور دوستی کے جو تعلقات صدیوں سے چلے آ رہے تھے، اُن کا پاس و لحاظ بھی انھوں نے اُٹھا دیا۔ آخرِ کار جب اُن کی شرارتیں اور عہد شکنیاں حدِ برداشت سے گزر گئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بَدر کے چند مہینے بعد

بنی قَینُقاع پر، جو اِن یہودی قبیلوں میں سب سے زیادہ شریر لوگ تھے، حملہ کر دیا اور اُنھیں اطرافِ مدینہ سے نکال باہر کیا۔ لیکن اس سے دُوسرے یہودی قبائل کی آتشِ عناد اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ انھوں نے مدینے کے منافق مسلمانوں اور حجاز کے مشرک قبیلوں کے ساتھ ساز باز کر کے اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہر طرف خطرات ہی خطرات پیدا کر دیے، حتّٰی کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے متعلق ہر وقت یہ اندیشہ رہنے لگا کہ نہ معلوم کب آپؐ پر قاتلانہ حملہ ہو جائے۔ صحابۂ کرامؓ اس زمانے میں بالعُموم ہتھیار بند سوتے تھے۔ شب خون کے ڈر سے راتوں کو پہرے دیے جاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی کہیں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے تو صحابۂ کرامؓ گھبرا کر آپؐ کو ڈھونڈنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے۔

(۳) بدر کی شکست کے بعد قریش کے دلوں میں آپ ہی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی کہ اس پر مزید تیل یہودیوں نے چھِڑکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی سال بعد مکّے سے تین ہزار کا لشکرِ جَرّار مدینے پر حملہ آور ہو گیا اور اُحُد کے دامن میں وہ لڑائی پیش آئی، جو جنگِ اُحُد کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار آدمی مدینے سے نکلے تھے۔ مگر راستے میں سے تین سو منافق یکایک الگ ہو کر مدینے کی طرف پلٹ گئے۔ اور جو سات سو آدمی آپؐ کے ساتھ رہ گئے تھے، ان میں بھی منافقین کی ایک چھوٹی سی پارٹی شامل رہی، جس نے دَورانِ جنگ میں مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ پہلا موقع تھا جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اپنے گھر میں اتنے کثیر التعداد مارِ آستین موجود ہیں اور وہ اس طرح باہر کے دُشمنوں کے ساتھ مل کر خود اپنے بھائی بندوں کو نقصان پہنچانے پر تُلے ہوئے ہیں۔

(۴) جنگِ اُحُد میں مسلمانوں کو جو شکست ہوئی، اس میں اگرچہ منافقین کی تدبیروں کا ایک بڑا حصّہ تھا، لیکن اس کے ساتھ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا حصّہ بھی کچھ کم نہ تھا، اور یہ ایک قُدرَتی بات تھی کہ ایک خاص طرزِ فکر اور نظامِ اَخلاق پر جو جماعت ابھی تازہ تازہ ہی بنی تھی، جس کی اَخلاقی تربِیَت ابھی مکمل نہ ہو سکی تھی، اور جسے اپنے عقیدہ و مسلک کی حمایت میں لڑنے کا یہ دُوسرا ہی موقع پیش آیا تھا، اس کے کام میں بعض کمزوریوں کا ظہور بھی ہوتا۔ اس لیے یہ ضرورت پیش آئی کہ جنگ کے بعد اس جنگ کی پوری سرگزَشت پر ایک مفصّل تبصرہ کیا جائے، اور اس میں اسلامی نقطۂ نظر سے جو کمزوریاں مسلمانوں کے اندر پائی گئی تھیں، ان میں سے ایک ایک کی نشان دِہی کر کے اس کی اصلاح کے متعلق ہدایات دی جائیں۔ اس سلسلے میں یہ بات نظر میں رکھنے کے لائق ہے کہ اس جنگ پر قرآن کا تبصرہ اُن تبصروں سے کتنا مختلف ہے، جو دُنیوی جنرل اپنی لڑائیوں کے بعد کیا کرتے ہیں۔

الٓمّٓ ﴿١﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿٢﴾ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿٣﴾

ا، ل، م۔ اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی، جو نظامِ کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، حقیقت میں اس کے سوا کوئی خدا نہیں[1] ہے۔

اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی، جو حق لے کر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل نازل کر چکا ہے[2]،

---

۱ – تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: سورۂ بقرہ، حاشیہ ۲۷۸۔

۲ – عام طور پر لوگ تورات سے مراد بائبل کے پُرانے عہد نامے کی ابتدائی پانچ کتابیں، اور انجیل سے مراد نئے عہد نامے کی چار مشہور انجیلیں لے لیتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اُلجھن پیش آتی ہے کہ کیا فی الواقع یہ کتابیں کلامِ الٰہی ہیں؟ اور کیا واقعی قرآن اُن سب باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو ان میں درج ہیں؟ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ تورات بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اُن کے اندر مندرج ہے، اور انجیل نئے عہد نامہ کی اناجیلِ اربعہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ان کے اندر پائی جاتی ہے۔

دراصل تورات سے مراد وہ احکام ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بِعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال کے دَوران میں اُن پر نازل ہوئے۔ اُن میں سے دس احکام تو وہ تھے، جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کَندہ کر کے انھیں دیے تھے۔ باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰؑ نے لکھوا کر اس کی ۱۲ نقلیں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو دے دی تھیں، اور ایک نقل بنی لاوِی کے حوالے کی تھی، تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اسی کتاب کا نام "تورات" تھا۔ یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المَقدِس کی پہلی تباہی کے وقت تک محفوظ تھی۔ اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی، پتھر کی لوحوں سمیت، عہد کے صندوق میں رکھ دی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو "توریت" ہی کے نام سے جانتے تھے۔ لیکن اس سے اُن کی غفلت اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں جب ہیکلِ سلیمانی کی مَرمّت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن (یعنی ہیکل کے سجّادہ نشین اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا) خِلقیاہ کو ایک جگہ توریت رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک عجوبے کی طرح اسے شاہی مُنشی کو دیا اور شاہی مُنشی نے اسے لے جا کر بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا، جیسے ایک عجیب انکشاف ہوا ہے۔

(مُلاحظہ ہو: ۲-سلاطین، باب ۲۲، آیت ۸ تا ۱۳) یہی وجہ ہے کہ جب بُخْتِ نَصَّر نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے، جو اُن کے ہاں طاقِ نِسیاں پر رکھے ہوئے تھے اور بہت تھوڑی تعداد میں تھے، ہمیشہ کے لیے گم کر دیے۔ پھر جب عَزرا کاہن (عُزَیرؑ) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کُھچے لوگ بابِل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المَقْدِس تعمیر ہوا، تو عَزرا نے اپنی قوم کے چند دُوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مُرتّب کی، جو اَب بائبل کی پہلی ۱۷ کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس تاریخ کے چار باب، یعنی خُروج، اَحبار، گِنتی اور اِستِثنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں، اور اس سیرت ہی میں تاریخِ نُزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسبِ موقع درج کر دی گئی ہیں، جو عَزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہو سکیں۔ پس دراصل اب تورات اُن منتشر اجزا کا نام ہے، جو سیرتِ موسیٰ علیہ السلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم انھیں صرف اِس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اِس تاریخی بیان کے دَوران میں جہاں کہیں سیرتِ موسوی کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰؑ سے یہ فرمایا، یا موسیٰؑ نے کہا کہ خداوند تمھارا خدا یہ کہتا ہے، وہاں سے تورات کا ایک جُز شروع ہوتا ہے، اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہو جاتی ہے، وہاں وہ جُز ختم ہو جاتا ہے۔ بیچ میں جہاں کہیں کوئی چیز بائبل کے مصنّف نے تفسیر وتشریح کے طور پر بڑھا دی ہے، وہاں ایک عام آدمی کے لیے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل تورات کا حصّہ ہے، یا شرح وتفسیر۔ تاہم جو لوگ کُتُبِ آسمانی میں بصیرت رکھتے ہیں، وہ ایک حد تک صحت کے ساتھ یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اجزا میں کہاں کہاں تفسیری وتشریحی اضافے ملحق کر دیے گئے ہیں۔

قرآن اِنھی منتشر اجزا کو ”تورات“ کہتا ہے، اور اِنھی کی وہ تصدیق کرتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزا کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے، تو بجز اس کے کہ بعض بعض مَقامات پر جُزوی احکام میں اختلاف ہے، اُصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان یک سرِمُو فرق نہیں پایا جاتا۔ آج بھی ایک ناظر صریح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ یہ دونوں چشمے ایک ہی منبع سے نکلے ہوئے ہیں۔

اسی طرح انجیل دراصل نام ہے اُن الہامی خطبات اور اقوال کا، جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیتِ نبی ارشاد فرمائے۔ وہ کلماتِ طیّبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتّب کیے گئے تھے یا نہیں، اس کے متعلق اب ہمارے پاس کوئی ذریعۂ معلومات نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں نے انھیں نوٹ کر لیا ہو، اور ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد کر رکھا ہو۔ بہرحال ایک مدّت کے بعد جب آنجناب کی سیرتِ پاک پر مختلف رسالے لکھے گئے، تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسبِ موقع درج کر دیے گئے، جو ان رسالوں کے مصنّفین تک زبانی رِوایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعے سے پہنچے تھے۔ آج مَتّی، مَرقُس، لُوقا اور یُوحَنّا کی جن کتابوں کو اناجیل کہا جاتا ہے، دراصل انجیل وہ نہیں ہیں، بلکہ انجیل حضرت مسیحؑ کے وہ ارشادات ہیں، جو ان کے اندر درج ہیں۔ ہمارے پاس ان کو پہچاننے اور مصنّفینِ سیرت کے اپنے کلام سے ان کو مُمیّز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیحؑ نے یہ فرمایا یا لوگوں کو یہ تعلیم دی، صرف وہی مَقامات اصل انجیل کے اجزا ہیں۔ قرآن انھی اجزا کے مجموعے کو

مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخۡفٰى عَلَيۡهِ شَىۡءٌ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ؕ ۝۵ هُوَ الَّذِىۡ يُصَوِّرُكُمۡ فِى الۡاَرۡحَامِ كَيۡفَ يَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝۶ هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ

اور اس نے وہ کسوٹی اتاری ہے (جو حق اور باطل کا فرق دکھانے والی ہے)۔ اب جو لوگ اللہ کے فرامین کو قبول کرنے سے انکار کریں، ان کو یقیناً سخت سزا ملے گی۔ اللہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے اور بُرائی کا بدلہ دینے والا ہے۔

زمین اور آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں[۳]۔ وہی تو ہے جو تمھاری ماؤں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں، جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے[۴]۔ اس زبردست حکمت والے کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ وہی خدا ہے، جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔

''انجیل'' کہتا ہے اور انھی کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ آج کوئی شخص ان بکھرے ہوئے اجزا کو مرتّب کر کے قرآن سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے، تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا، اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا، وہ بھی غیر متعصّبانہ غور و تأمّل کے بعد بآسانی حل کیا جاسکے گا۔

۳- یعنی وہ کائنات کی تمام حقیقتوں کا جاننے والا ہے۔ لہٰذا جو کتاب اس نے نازل کی ہو، وہ سراسر حق ہی ہونی چاہیے۔ بلکہ خالص حق صرف اسی کتاب میں انسان کو میسر آ سکتا ہے، جو اُس علیم و دانا کی طرف سے نازل ہو۔

۴- اس میں دو اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے: ایک، یہ کہ تمھاری فطرت کو جیسا وہ جانتا ہے، نہ کوئی دوسرا جان سکتا ہے، نہ تم خود جان سکتے ہو۔ لہٰذا اس کی رہنمائی پر اعتماد کیے بغیر تمھارے لیے کوئی چارہ نہیں ہے۔ دوسرے، یہ کہ جس نے تمھارے اِستقرارِ حمل سے لے کر بعد کے مراحل تک ہر موقع پر تمھاری چھوٹی سے چھوٹی ضرورتوں تک کو پورا کرنے کا اہتمام کیا، کس طرح ممکن تھا کہ وہ دُنیا کی زندگی میں تمھاری ہدایت و رہنمائی کا انتظام نہ کرتا، حالانکہ تم سب سے بڑھ کر اگر کسی چیز کے محتاج ہو، تو وہ یہی ہے۔

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

اِس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات، جو کتاب کی اصل بُنیاد ہیں[5] اور دوسری متشابہات۔[6]

۵ – مُحکَم پکّی اور پختہ چیز کو کہتے ہیں۔ ”آیاتِ مُحکَمات“ سے مراد وہ آیات ہیں، جن کی زبان بالکل صاف ہے، جن کا مفہوم متعین کرنے میں کسی اشتباہ کی گنجایش نہیں ہے، جن کے الفاظ معنیٰ ومدّعا پر صاف اور صریح دلالت کرتے ہیں، جنھیں تاویلات کا تختۂ مشق بنانے کا موقع مشکل ہی سے کسی کو مل سکتا ہے۔ یہ آیات ”کتاب کی اصل بنیاد ہیں“، یعنی قرآن جس غرض کے لیے نازل ہوا ہے، اُس غرض کو یہی آیتیں پورا کرتی ہیں۔ اُنھی میں اسلام کی طرف دُنیا کو دعوت دی گئی ہے، اُنھی میں عبرت اور نصیحت کی باتیں فرمائی گئی ہیں، اُنھی میں گمراہیوں کی تردید اور راہِ راست کی توضیح کی گئی ہے۔ اُنھی میں دین کے بنیادی اُصول بیان کیے گئے ہیں، اُنھی میں عقائد، عبادات، اَخلاق، فرائض اور امرونہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔ پس جو شخص طالبِ حق ہو اور یہ جاننے کے لیے قرآن کی طرف رُجوع کرنا چاہتا ہو کہ وہ کس راہ پر چلے اور کس راہ پر نہ چلے، اس کی پیاس بُجھانے کے لیے آیاتِ مُحکَمات ہی اصل مَرجَع ہیں، اور فطرتاً اُنھی پر اس کی توجہ مرکوز ہوگی اور وہ زیادہ تر اُنھی سے فائدہ اُٹھانے میں مشغول رہے گا۔

۶ – متشابہات، یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجایش ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کے لیے زندگی کا کوئی راستہ تجویز نہیں کیا جاسکتا، جب تک کائنات کی حقیقت، اور اس کے آغاز وانجام، اور اس میں انسان کی حیثیت، اور ایسے ہی دُوسرے بنیادی اُمور کے متعلق کم سے کم ضروری معلومات انسان کو نہ دی جائیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیزیں انسان کے حواس سے ماورا ہیں، جو انسانی علم کی گرفت میں نہ کبھی آئی ہیں، نہ آسکتی ہیں، جن کو اس نے نہ کبھی دیکھا، نہ چھُوا، نہ چکھا، اُن کے لیے انسانی زبان میں نہ ایسے الفاظ مل سکتے ہیں جو اُنھی کے لیے وضع کیے گئے ہوں اور نہ ایسے معروف اسالیب بیان مل سکتے ہیں، جن سے ہر سامع کے ذہن میں ان کی صحیح تصویر کھنچ جائے۔ لامحالہ یہ ناگزیر ہے کہ اس نوعیت کے مضامین کو بیان کرنے کے لیے الفاظ اور اسالیبِ بیان وہ استعمال کیے جائیں، جو اصل حقیقت سے قریب تر مُشابَہت رکھنے والی محسوس چیزوں کے لیے انسانی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ مابعدالطبیعی مسائل کے بیان میں قرآن کے اندر ایسی ہی زبان استعمال کی گئی ہے، اور متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں، جن میں یہ زبان استعمال ہوئی ہے۔

لیکن اِس زبان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ آدمی کو حقیقت کے قریب تک پہنچا دے، یا اس کا ایک دُھندلا سا تصوّر پیدا کر دے۔ ایسی آیات کے مفہوم کو متعین کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی، اتنے ہی زیادہ اشتباہات واحتمالات سے سابقہ پیش آئے گا، حتیٰ کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دُور ہوتا چلا جائے گا۔ پس جو لوگ طالبِ حق ہیں اور ذوقِ فضول نہیں رکھتے، وہ تو متشابہات سے حقیقت کے اُس

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وقف منزل

وقف لازم

جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اِس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "ہمارا اُن پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔"ے اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے دُعا کرتے رہتے ہیں کہ "پروردگار! جب تُو ہمیں سیدھے رستے پر لگا چکا ہے، تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مُبتلا نہ کر دیجیو۔ ہمیں اپنے خزانہء فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔ پروردگار! تو یقیناً سب لوگوں کو ایک روز جمع کرنے والا ہے، جس کے

دُھندلے تصوّر پر قناعت کر لیتے ہیں جو کام چلانے کے لیے کافی ہے اور اپنی تمام تر توجہ مُحکمات پر صَرف کرتے ہیں، مگر جو لوگ بُوالفضول یا فتنہ جُو ہوتے ہیں، اُن کا تمام تر مشغلہ متشابہات ہی کی بحث و تنقیب ہوتا ہے۔

ے – یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب وہ لوگ متشابہات کا صحیح مفہوم جانتے ہی نہیں، تو ان پر ایمان کیسے لے آئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک معقول آدمی کو قرآن کے کلام اللہ ہونے کا یقین محکمات کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ متشابہات کی تاویلوں سے۔ اور جب آیاتِ محکمات میں غور و فکر کرنے سے اس کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب واقعی اللہ ہی کی کتاب ہے، تو پھر متشابہات اس کے دل میں کوئی خلجان پیدا نہیں کرتے۔ جہاں تک ان کا سیدھا سادھا مفہوم اس کی سمجھ میں آجاتا ہے، اس کو وہ لے لیتا ہے، اور جہاں پیچیدگی رونما ہوتی ہے، وہاں کھوج لگانے اور مُوشگافیاں کرنے کے بجائے وہ اللہ کے کلام پر مُجمل ایمان لا کر اپنی توجہ کام کی باتوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔

ع ۱ ۹

لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۹﴾ؑ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ﴿ۙ۱۰﴾ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَ تُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمِہَادُ ﴿۱۲﴾ قَدۡ کَانَ لَکُمۡ اٰیَۃٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ اُخۡرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوۡنَہُمۡ

آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ تُو ہرگز اپنے وعدے سے ٹلنے والا نہیں ہے۔" ع

جن لوگوں نے کفر کا رویّہ اختیار کیا ہے[8]، انھیں اللہ کے مقابلے میں نہ اُن کا مال کچھ کام دے گا، نہ اولاد۔ وہ دوزخ کا ایندھن بن کر رہیں گے۔ اُن کا انجام ویسا ہی ہوگا، جیسا فرعون کے ساتھیوں اور اُن سے پہلے کے نافرمانوں کا ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے گناہوں پر انھیں پکڑ لیا اور حق یہ ہے کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ پس اے محمدؐ! جن لوگوں نے تمھاری دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، اُن سے کہہ دو کہ قریب ہے وہ وقت، جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ تمھارے لیے اُن دو گروہوں میں ایک نشانِ عبرت تھا، جو (بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دُوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے بچشم سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ

۸- تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: سورہ بقرہ، حاشیہ ۱۶۱۔

مِّثْلَیْھِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ

مومن گروہ سے دوچند ہے۔[9] مگر (نتیجے نے ثابت کر دیا کہ) اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کو چاہتا ہے، مدد دیتا ہے۔ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔[10]

لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس —— عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے،

۹- اگرچہ حقیقی فرق سہ چند تھا، لیکن سرسری نگاہ سے دیکھنے والا بھی یہ محسوس کیے بغیر تو نہیں رہ سکتا تھا کہ کفار کا لشکر مسلمانوں سے دوگنا ہے۔

۱۰- جنگِ بدر کا واقعہ اُس وقت قریبی زمانے ہی میں پیش آ چکا تھا، اس لیے اس کے مُشاہدات و نتائج کی طرف اشارہ کر کے لوگوں کو عبرت دلائی گئی ہے۔ اس جنگ میں تین باتیں نہایت سبق آموز تھیں:

ایک یہ کہ مسلمان اور کفار جس شان سے ایک دوسرے کے بالمقابل آئے تھے، اس سے دونوں کا اَخلاقی فرق صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ ایک طرف کافروں کے لشکر میں شرابوں کے دَور چل رہے تھے، ناچنے اور گانے والی لونڈیاں ساتھ آئی تھیں اور خوب دادِ عیش دی جا رہی تھی۔ دُوسری طرف مسلمانوں کے لشکر میں پرہیز گاری تھی، خدا ترسی تھی، انتہا درجے کا اخلاقی اِنْضِباط تھا، نمازیں تھیں اور روزے تھے، بات بات پر خدا کا نام تھا اور خدا ہی کے آگے دعائیں اور التجائیں کی جا رہی تھیں۔ دونوں لشکروں کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی معلوم کر سکتا تھا کہ دونوں میں سے کون اللہ کی راہ میں لڑ رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ مسلمان اپنی قلّتِ تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود کفار کی کثیر التعداد اور بہتر اسلحہ رکھنے والی فوج کے مقابلے میں جس طرح کامیاب ہوئے، اس سے صاف معلوم ہو گیا تھا کہ ان کو اللہ کی تائید حاصل تھی۔

تیسرے یہ کہ اللہ کی غالب طاقت سے غافل ہو کر جو لوگ اپنے سروسامان اور اپنے حامیوں کی کثرت پر پُھولے ہوئے تھے، ان کے لیے یہ واقعہ ایک تازیانہ تھا کہ اللہ کس طرح چند مفلس و قلّاش غریب الوطن مہاجروں اور مدینے کے کاشتکاروں کی ایک مُٹّھی بھر جماعت کے ذریعے سے قریش جیسے قبیلے کو شکست دلوا سکتا ہے، جو تمام عرب کا سرتاج تھا۔

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ ۚ اَلصّٰبِرِيْنَ

مویشی اور زرعی زمینیں ـــــ بڑی خوش آیند بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب دُنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے، وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ کہو: میں تمھیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں، اُن کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انھیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں[11] گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔ اللہ اپنے بندوں کے رَوِیّے پر گہری نظر رکھتا ہے[12]۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو کہتے ہیں کہ ”مالک! ہم ایمان لائے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمیں آتشِ دوزخ سے بچالے۔“ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں،[13]

۱۱ – تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: سورۂ بقرہ، حاشیہ ۲۷۔

۱۲ – یعنی اللہ غلط بخش نہیں ہے اور نہ سرسری اور سطحی طور پر فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ بندوں کے اعمال وافعال اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو خوب جانتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ بندوں میں سے کون اُس کے انعام کا مستحق ہے اور کون نہیں ہے۔

۱۳ – یعنی راہِ حق میں پوری استقامت دکھانے والے ہیں۔ کسی نقصان یا مصیبت سے ہمّت نہیں ہارتے، کسی ناکامی سے دل شکستہ نہیں ہوتے، کسی لالچ سے پھسل نہیں جاتے، اور ایسی حالت میں بھی حق کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رہتے ہیں، جبکہ بظاہر اُس کی کامیابی کا کوئی امکان نظر نہ آتا ہو۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ بقرہ، حاشیہ ۶۰)

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ؕ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۛ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

النصف

راست باز ہیں، فرماں بردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔

اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے،[14] اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہلِ علم نے بھی دی ہے۔[15] وہ انصاف پہ قائم ہے۔ اُس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام[16] ہے۔ اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے اُن لوگوں نے اختیار کیے، جنھیں کتاب

۱۴ – یعنی اللہ جو کائنات کی تمام حقیقتوں کا براہِ راست علم رکھتا ہے، جو تمام موجودات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے، جس کی نگاہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، یہ اُس کی شہادت ہے ـــــ اور اس سے بڑھ کر معتبر عینی شہادت اور کس کی ہوگی ـــــ کہ پورے عالَم وجود میں اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے، جو خدائی کی صفات سے متّصِف ہو، خدائی کے اقتدار کی مالک ہو، اور خدائی کے حُقوق کی مستحق ہو۔

۱۵ – اللہ کے بعد سب سے زیادہ معتبر شہادت فرشتوں کی ہے، کیونکہ وہ سلطنتِ کائنات کے انتظامی اہلِ کار ہیں اور وہ براہِ راست اپنے ذاتی علم کی بنا پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سلطنت میں اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا اور اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں ہے، جس کی طرف زمین و آسمان کے انتظامی معاملات میں وہ رُجوع کرتے ہوں۔ اس کے بعد مخلوقات میں سے جن لوگوں کو بھی حقائق کا تھوڑا یا بہت علم حاصل ہوا ہے، ان سب کی ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ مُتّفقہ شہادت رہی ہے کہ ایک ہی خدا اس پوری کائنات کا مالک و مُدبّر ہے۔

۱۶ – یعنی اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صرف ایک ہی نظامِ زندگی اور ایک ہی طریقۂ حیات صحیح و دُرست ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا مالک و معبُود تسلیم کرے اور اس کی بندگی و غلامی میں اپنے آپ کو بالکل سُپرد کر دے اور اس کی بندگی بجالانے کا طریقہ خود نہ ایجاد کرے، بلکہ اُس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے جو ہدایت

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا

دی گئی تھی، اُن کے اِس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انھوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دُوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا[17] اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات کی اطاعت سے انکار کر دے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اب اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں، تو ان سے کہو: ”میں نے اور میرے پیرووں نے تو اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔“ پھر اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب دُونوں سے پوچھو: ”کیا تم نے بھی اس کی اطاعت و بندگی قبول کی؟“[18] اگر کی

بھیجی ہے، ہر کمی وبیشی کے بغیر صرف اسی کی پیروی کرے۔ اسی طرزِ فکر وعمل کا نام ”اسلام“ ہے، اور یہ بات سراسر بجا ہے کہ کائنات کا خالق و مالک اپنی مخلوق اور رعیّت کے لیے اِس اسلام کے سوا کسی دُوسرے طرزِ عمل کو جائز تسلیم نہ کرے۔ آدمی اپنی حماقت سے اپنے آپ کو دہریّت سے لے کر شرک و بُت پرستی تک ہر نظریّے اور ہر مسلک کی پیروی کا جائز حق دار سمجھ سکتا ہے، مگر فرماں روائے کائنات کی نگاہ میں تو یہ نری بغاوت ہے۔

۱۷ – مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو پیغمبر بھی دُنیا کے کسی گوشے اور کسی زمانے میں آیا ہے، اس کا دین اسلام ہی تھا، اور جو کتاب بھی دُنیا کی کسی زبان اور کسی قوم میں نازل ہوئی ہے، اس نے اسلام ہی کی تعلیم دی ہے۔ اس اصل دین کو مسخ کر کے اور اس میں کمی وبیشی کر کے جو بہت سے مذاہب نوعِ انسانی میں رائج کیے گئے، ان کی پیدائش کا سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لوگوں نے اپنی جائز حد سے بڑھ کر حقوق، فائدے اور امتیازات حاصل کرنے چاہے اور اپنی خواہشات کے مطابق اصل دین کے عقائد، اُصول اور احکام میں ردّو بدل کر ڈالا۔

۱۸ – دُوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں سمجھیے کہ ”مَیں اور میرے پیرو تو اس ٹھیٹ اسلام کے قائل ہو چکے ہیں جو خدا کا اصل دین ہے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا تم اپنے اور اپنے اسلاف کے بڑھائے ہوئے حاشیوں کو چھوڑ کر اس اصلی و حقیقی دین کی طرف آتے ہو۔“
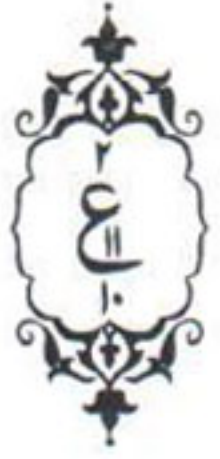
فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

ع ۲ ۱۱ ۱۰

تو وہ راہِ راست پا گئے، اور اگر اس سے منہ موڑا تو تم پر صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمّہ داری تھی۔ آگے اللہ خود اپنے بندوں کے معاملات دیکھنے والا ہے۔ ؏

جو لوگ اللہ کے احکام و ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں، جو خلقِ خدا میں سے عدل و راستی کا حکم دینے کے لیے اُٹھیں، ان کو دردناک سزا کی خوش خبری سُنا دو۔[19] یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دُنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے،[20] اور ان کا مددگار کوئی نہیں ہے۔[21]

تم نے دیکھا نہیں کہ جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حصّہ ملا ہے، اُن کا حال کیا ہے؟

۱۹ – یہ طنزیہ اندازِ بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے جن کرتوتوں پر وہ آج بہت خوش ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت خوب کام کر رہے ہیں، انھیں بتا دو کہ تمھارے ان اعمال کا انجام یہ ہے۔

۲۰ – یعنی انھوں نے اپنی قوتیں اور کوششیں ایسی راہ میں صَرف کی ہیں جس کا نتیجہ دُنیا میں بھی خراب ہے اور آخرت میں بھی خراب۔

۲۱ – یعنی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو ان کی اس غلط سعی و عمل کو بار آور بنا سکے، یا کم از کم بدانجامی ہی سے بچا سکے۔ جن جن قوتوں پر وہ بھروسا رکھتے ہیں کہ وہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ ان کے کام آئیں گی، ان میں سے

يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

اُنھیں جب کتابِ الٰہی کی طرف بُلایا جاتا ہے تاکہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے[۲۲]، تو ان میں سے ایک فریق اس سے پہلوتہی کرتا ہے اور اس فیصلے کی طرف آنے سے منہ پھیر جاتا ہے۔ ان کا یہ طرزِ عمل اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں: ”آتشِ دوزخ تو ہمیں مَس تک نہ کرے گی اور اگر دوزخ کی سزا ہم کو ملے گی بھی تو بس چند روز[۲۳]۔“ اُن کے خود ساختہ عقیدوں نے اُن کو اپنے دین کے معاملے میں بڑی غلط فہمیوں میں ڈال رکھا ہے۔ مگر کیا بنے گی اُن پر جب ہم انھیں اُس روز جمع کریں گے جس کا آنا یقینی ہے؟ اس روز ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ پورا پورا دے دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہو گا۔

فی الواقع کوئی بھی ان کی مددگار ثابت نہ ہو گی۔

۲۲ – یعنی ان سے کہا جاتا ہے کہ خدائی کتاب کو آخری سند مان لو، اس کے فیصلے کے آگے سر جھکا دو، اور جو کچھ اس کی رُو سے حق ثابت ہو، اسے حق، اور جو اس کی رُو سے باطل ثابت ہو، اسے باطل تسلیم کر لو۔ واضح رہے کہ اس مقام پر خدا کی کتاب سے مراد تورات و انجیل ہے اور ”کتاب کے علم میں سے کچھ حصّہ پانے والوں“ سے مراد یہود و نصاریٰ کے علما ہیں۔

۲۳ – یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو خدا کا چہیتا سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ اس خیالِ خام میں مبتلا ہیں کہ ہم خواہ کچھ کریں، بہرحال جنت ہماری ہے۔ ہم اہلِ ایمان ہیں، ہم فُلاں کی اولاد اور فلاں کی اُمّت اور فلاں کے مرید اور فلاں کے دامن گرفتہ ہیں، بھلا دوزخ کی کیا مجال کہ ہمیں چھوجائے۔ اور بالفرض اگر ہم دوزخ میں ڈالے بھی گئے تو بس چند روز وہاں رکھے جائیں گے تاکہ گناہوں کی جو آلائش لگ گئی ہے وہ صاف ہو جائے، پھر سیدھے جنّت میں پہنچا دیے جائیں گے۔ اسی

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

کہو! خدایا! مُلک کے مالک! تُو جسے چاہے، حکومت دے اور جس سے چاہے، چھین لے۔ جسے چاہے، عزّت بخشے اور جس کو چاہے، ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ جان دار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جان دار کو۔ اور جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔[۲۴]

مومنین اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست ہرگز نہ بنائیں۔

قِسم کے خیالات نے ان کو اتنا جَری و بے باک بنا دیا ہے کہ وہ سخت سے سخت جرائم کا ارتکاب کر جاتے ہیں، بدترین گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، کُھلّم کُھلّا حق سے انحراف کرتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف ان کے دل میں نہیں آتا۔

۲۴ - جب انسان ایک طرف کافروں اور نافرمانوں کے کرتُوت دیکھتا ہے اور پھر یہ دیکھتا ہے کہ وہ دنیا میں کس طرح پَھل پُھول رہے ہیں، دوسری طرف اہلِ ایمان کی اطاعت شعاریاں دیکھتا ہے اور پھر ان کو اُس فقر و فاقہ اور اُن مصائب و آلام کا شکار دیکھتا ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ ۳ھ اور اس کے لگ بھگ زمانے میں مُبتلا تھے، تو قدرتی طور پر اس کے دل میں ایک عجیب حسرت آمیز اِستفہام گردش کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسی اِستفہام کا جواب دیا ہے اور ایسے لطیف پیرایے میں دیا ہے کہ اس سے زیادہ لطافت کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں یہ معاف ہے کہ تم ان کے ظلم سے بچنے کے لیے بظاہر ایسا طرزِ عمل اختیار کر جاؤ۔[۲۵] مگر اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمھیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔[۲۶] اے نبیؐ! لوگوں کو خبردار کر دو کہ تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے، اُسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ بہرحال اسے جانتا ہے، زمین و آسمان کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور اُس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ دن آنے والا ہے، جب ہر نفس اپنے کیے کا پھل حاضر

---

۲۵ – یعنی اگر کوئی مومن کسی دشمنِ اسلام جماعت کے چنگل میں پھنس گیا ہو اور اسے ان کے ظلم و ستم کا خوف ہو، تو اس کو اجازت ہے کہ اپنے ایمان کو چھپائے رکھے اور کفار کے ساتھ بظاہر اس طرح رہے کہ گویا انھی میں کا ایک آدمی ہے۔ یا اگر اس کا مسلمان ہونا ظاہر ہو گیا ہو تو اپنی جان بچانے کے لیے وہ کفار کے ساتھ دوستانہ رویّے کا اظہار کر سکتا ہے، حتیٰ کہ شدید خوف کی حالت میں جو شخص برداشت کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس کو کلمۂ کفر تک کہہ جانے کی رخصت ہے۔

۲۶ – یعنی کہیں انسانوں کا خوف تم پر اتنا نہ چھا جائے کہ خدا کا خوف دل سے نکل جائے۔ انسان حد سے حد تمھاری دُنیا بگاڑ سکتے ہیں، مگر خدا تمھیں ہمیشگی کا عذاب دے سکتا ہے۔ لہٰذا اپنے بچاؤ کے لیے اگر بدرجۂ مجبوری کبھی کفار کے ساتھ تقیّہ کرنا پڑے، تو وہ بس اس حد تک ہونا چاہیے کہ اسلام کے مشن اور اسلامی جماعت کے مفاد اور کسی مسلمان کی جان و مال کو نقصان پہنچائے بغیر تم اپنی جان و مال کا تحفظ کر لو۔ لیکن خبردار! کفر اور کفار کی کوئی ایسی خدمت تمھارے ہاتھوں انجام نہ ہونے پائے جس سے اسلام کے مقابلے میں کفر کو فروغ حاصل ہونے اور مسلمانوں پر کفار کے غالب آ جانے کا امکان ہو۔ خوب سمجھ لو کہ اگر اپنے آپ کو بچانے کے لیے تم نے اللہ کے دین کو، یا اہلِ ایمان کی جماعت کو، یا کسی ایک فردِ مومن کو بھی نقصان پہنچایا، یا خدا کے باغیوں کی کوئی حقیقی خدمت انجام دی، تو اللہ کے محاسبے سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔ جانا تم کو بہرحال اسی کے پاس ہے۔

مُّحْضَرًا ۚۛ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَ بَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۠ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

معانقة ۴ — ع ۱۰ ۳

پائے گا خواہ اُس نے بھلائی کی ہو یا بُرائی۔ اس روز آدمی یہ تمنا کرے گا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دُور ہوتا! اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے۔[۲۷] ع

اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ ”اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبّت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبّت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔“ اُن سے کہو کہ ”اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرلو“ پھر اگر وہ تمھاری یہ دعوت قبول نہ کریں، تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبّت کرے، جو اس کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔[۲۸]

۲۷ – یعنی یہ اس کی انتہائی خیر خواہی ہے کہ وہ تمھیں قبل از وقت ایسے اعمال پر مُتنبِّہ کر رہا ہے جو تمھارے انجام کی خرابی کے موجب ہو سکتے ہیں۔

۲۸ – یہاں پہلی تقریر ختم ہوتی ہے۔ اس کے مضمون، خُصوصاً جنگِ بَدر کی طرف جو اشارہ اس میں کیا گیا ہے، اس کے انداز پر غور کرنے سے غالب قیاس یہی ہوتا ہے کہ اس تقریر کے نُزول کا زمانہ جنگِ بَدر کے بعد اور جنگِ اُحد سے پہلے کا ہے، یعنی ۳ ہجری۔ محمد بن اسحاق کی رِوایت سے عُموماً لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس سورت کی ابتدائی ۸۰ آیتیں وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر ۹ ہجری میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اوّل تو اس تمہیدی تقریر کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ اس سے بہت پہلے نازل ہوئی ہوگی، دُوسرے مُقاتل بن سلیمان کی روایت میں تصریح ہے کہ وفدِ نجران کی آمد پر صرف وہ آیات نازل ہوئی ہیں جو حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسٰی علیہما السّلام کے بیان پر مشتمل ہیں اور جن کی

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا

اللہ[29] نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران[30] کو تمام دُنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لیے) منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے، جو ایک دُوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے[31]۔ (وہ اُس وقت سُن رہا تھا) جب عمران کی عورت[32] کہہ رہی تھی کہ "میرے پروردگار! میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر

تعداد ۳۰ یا اس سے کچھ زائد ہے۔

۲۹ – یہاں سے دوسرا خطبہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے نزول کا زمانہ ۹ ہجری ہے، جب کہ نَجْران کی عیسائی جُمہوریّت کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ نَجران کا علاقہ حِجاز اور یمن کے درمیان ہے۔ اُس وقت اس علاقے میں ۷۳ بستیاں شامل تھیں، اور کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار قابلِ جنگ مرد اس میں سے نکل سکتے تھے۔ آبادی تمام تر عیسائی تھی اور تین سرداروں کے زیرِ حکم تھی۔ ایک عاقب کہلاتا تھا، جس کی حیثیت امیرِ قوم کی تھی۔ دوسرا سیّد کہلاتا تھا، جو ان کے تمدُّنی وسیاسی اُمور کی نگرانی کرتا تھا۔ اور تیسرا اُسْقُف (بِشَپ) تھا، جس سے مذہبی پیشوائی متعلق تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ فتح کیا اور تمام اہلِ عرب کو یقین ہو گیا کہ ملک کا مستقبل اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے، تو عرب کے مختلف گوشوں سے آپؐ کے پاس وفد آنے شروع ہو گئے۔ اِسی سلسلے میں نَجران کے تینوں سردار بھی ۶۰ آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ پہنچے۔ جنگ کے لیے بہر حال وہ تیار نہ تھے۔ اب سوال صرف یہ تھا کہ آیا وہ اسلام قبول کرتے ہیں یا ذِمّی بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ خطبہ نازل کیا، تاکہ اس کے ذریعے سے وفدِ نَجران کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔

۳۰ – عمران حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے والد کا نام تھا، جسے بائبل میں "عَمرام" لکھا ہے۔

۳۱ – مسیحیوں کی گمراہی کا تمام تر سبب یہ ہے کہ وہ مسیحؑ کو بندہ اور رسول ماننے کے بجائے اللہ کا بیٹا اور اُلُوہیّت میں اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اگر ان کی یہ بنیادی غَلَطی رفع ہو جائے، تو اسلامِ صحیح وخالص کی طرف ان کا پلٹنا بہت آسان ہو جائے۔ اسی لیے اس خطبے کی تمہید یوں اُٹھائی گئی ہے کہ آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کے سب پیغمبر انسان تھے، ایک کی نسل سے دُوسرا پیدا ہوتا چلا آیا، ان میں سے کوئی بھی خدا نہ تھا، ان کی خُصُوصیّت

فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ۚؕ

کرتی ہوں، وہ تیرے ہی کام کے لیے وقف ہوگا۔ میری اس پیش کش کو قبول فرما۔ تو سُننے اور جاننے والا ہے۔[۳۳]" پھر جب وہ بچی اس کے ہاں پیدا ہوئی تو اس نے کہا: "مالک! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے ـــــ حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا، اللہ کو اس کی خبر تھی ـــــ اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔[۳۴] خیر، میں نے اس کا نام مریمؑ رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی آیندہ نسل کو شیطانِ مردُود کے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔" آخرکار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرمالیا، اُسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اُٹھایا۔ اور زکریّاؑ کو اس کا سرپرست بنا دیا۔

بس یہ تھی کہ خدا نے اپنے دین کی تبلیغ اور دُنیا کی اصلاح کے لیے ان کو منتخب فرمایا تھا۔

۳۲ - اگر عمران کی عورت سے مراد "عمران کی بیوی" لی جائے، تو اس کے معنٰی یہ ہوں گے کہ یہ وہ عمران نہیں ہیں جن کا ذکر اُوپر ہوا ہے، بلکہ یہ حضرت مریمؑ کے والد تھے، جن کا نام شاید عمران ہوگا۔ (مسیحی رِوایات میں حضرت مریمؑ کے والد کا نام یوآخیم Ioachim لکھا ہے) اور اگر عمران کی عورت سے مراد آلِ عمران کی عورت لی جائے، تو اس کے معنٰی یہ ہوں گے کہ حضرت مریمؑ کی والدہ اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ لیکن ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعۂ معلومات نہیں ہے، جس سے ہم قطعی طور پر ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکیں، کیونکہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت مریمؑ کے والد کون تھے اور ان کی والدہ کس قبیلے کی تھیں۔ البتہ اگر یہ رِوایت صحیح مانی جائے کہ حضرت یحییٰؑ کی والدہ اور حضرت مریمؑ کی والدہ آپس میں رشتے کی بہنیں تھیں تو پھر "عمران کی عورت" کے معنی قبیلۂ عمران کی عورت ہی دُرست ہوں گے، کیونکہ انجیلِ لُوقا میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے کہ حضرت یحییٰؑ کی والدہ حضرت ہارُونؑ کی اولاد سے تھیں۔ (لوقا ۱: ۵)

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

زکریّاؑ[۳۵] جب کبھی اس کے پاس محراب[۳۶] میں جاتا تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتا۔ پُوچھتا: مریمؑ! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ جواب دیتی: اللہ کے پاس سے آیا ہے، اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر زکریّا نے اپنے رب کو پکارا: "پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر۔ تُو ہی دُعا سننے والا ہے۔"[۳۷]

۳۳– یعنی تُو اپنے بندوں کی دُعائیں سنتا ہے اور ان کی نیتوں کے حال سے واقف ہے۔

۳۴– یعنی لڑکا اُن بہت سی فطری کمزوریوں اور تمدّنی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے، جو لڑکی کے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہیں، لہٰذا اگر لڑکا ہوتا تو وہ مقصد زیادہ اچھی طرح حاصل ہوسکتا تھا جس کے لیے میں اپنے بچے کو تیری راہ میں نذر کرنا چاہتی تھی۔

۳۵– اب اس وقت کا ذکر شروع ہوتا ہے جب حضرت مریمؑ سنِ رُشد کو پہنچ گئیں اور بیت المَقدِس کی عبادت گاہ (ہیکل) میں داخل کر دی گئیں اور ذکرِ الٰہی میں شب و روز مشغول رہنے لگیں۔ حضرت زکریّاؑ، جن کی تربیت میں وہ دی گئی تھیں، غالباً رشتے میں ان کے خالو تھے اور ہیکل کے مجاوروں میں سے تھے۔ یہ وہ زکریاہ نبی نہیں ہیں جن کے قتل کا ذکر بائبل کے پُرانے عہدنامے میں آیا ہے۔

۳۶– لفظِ محراب سے لوگوں کا ذہن بالعُموم اس محراب کی طرف چلا جاتا ہے جو ہماری مسجدوں میں امام کے کھڑے ہونے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ لیکن یہاں محراب سے یہ چیز مراد نہیں ہے۔ صَوامع اور کنیسوں میں اصل عبادت گاہ کی عمارت سے متّصل سطحِ زمین سے کافی بلندی پر جو کمرے بنائے جاتے ہیں، جن میں عبادت گاہ کے مجاور، خدّام اور معتکف لوگ رہا کرتے ہیں، انھیں محراب کہا جاتا ہے۔ اسی قسم کے کمروں میں سے ایک میں حضرت مریمؑ معتکف رہتی تھیں۔

۳۷– حضرت زکریّاؑ اس وقت تک بے اولاد تھے۔ اس نوجوان صالحہ لڑکی کو دیکھ کر فطرتاً ان کے دل میں یہ تمنّا پیدا ہوئی کہ کاش! اللہ انھیں بھی ایسی ہی نیک اولاد عطا کرے، اور یہ دیکھ کر کہ اللہ کس طرح اپنی قدرت سے

فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىۡ فِى الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحۡيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّقَدۡ بَلَغَنِىَ الۡكِبَرُ وَامۡرَاَتِىۡ عَاقِرٌ ‌ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً ‌ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ

جواب میں فرشتوں نے آواز دی، جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، کہ ''اللہ تجھے یحییٰؑ [۳۸] کی خوش خبری دیتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان [۳۹] کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا۔ اس میں سرداری و بزرگی کی شان ہو گی۔ کمال درجے کا ضابط ہو گا۔ نبوّت سے سرفراز ہو گا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔ زکریّاؑ نے کہا: ''پروردگار! بھلا میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہو گا، میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔'' جواب ملا: ''ایسا ہی [۴۰] ہو گا، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' عرض کیا: ''مالک! پھر کوئی نشانی میرے لیے مقرر فرما دے [۴۱]۔'' کہا: ''نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارے

اس گوشہ نشین لڑکی کو رزق پہنچا رہا ہے، انھیں یہ اُمّید ہوئی کہ اللہ چاہے تو اس بڑھاپے میں بھی ان کو اولاد دے سکتا ہے۔

۳۸ – بائبل میں ان کا نام ''یُوحنّا بپتسمہ دینے والا'' (John the Baptist) لکھا ہے۔ ان کے حالات کے لیے مُلاحظہ ہو: مَتّی باب ۳ و ۱۱ و ۱۴۔ مَرقُس باب ۱ و ۶۔ لُوقا باب ۱ و ۳۔

۳۹ – اللہ کے ''فرمان'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ چونکہ ان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے ایک غیر معمولی فرمان سے خرقِ عادت کے طور پر ہوئی تھی، اس لیے ان کو قرآنِ مجید میں ''کَلِمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ'' کہا گیا ہے۔

۴۰ – یعنی تیرے بڑھاپے اور تیری بیوی کے بانجھ پن کے باوجود اللہ تجھے بیٹا دے گا۔

۴۱ – یعنی ایسی علامت بتا دے کہ جب ایک پیرِ فرتوت اور ایک بوڑھی بانجھ کے ہاں لڑکے کی ولادت جیسا عجیب غیر معمولی واقعہ پیش آنے والا ہو تو اس کی اِطّلاع مجھے پہلے سے ہو جائے۔

ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

ع ۴ ۱۱ ۱۲

کے سوا کوئی بات چیت نہ کرو گے (یا نہ کرسکو گے)۔ اِس دَوران میں اپنے رب کو بہت یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔"[۴۲] ع

پھر وہ وقت آیا جب مریمؑ سے فرشتوں نے آکر کہا: "اے مریمؑ! اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دُنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لیے چُن لیا۔ اے مریمؑ! اپنے رب کی تابعِ فرمان بن کر رہ، اس کے آگے سربسجود ہو، اور جو بندے اس کے حُضور جھکنے والے ہیں، ان کے ساتھ تو بھی جُھک جا۔"

اے محمدؐ! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو وحی کے ذریعے سے بتا رہے ہیں، ورنہ تم اُس وقت وہاں موجود نہ تھے جب ہیکل کے خادم یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ مریمؑ کا سرپرست کون ہو اپنے اپنے قلم پھینک رہے[۴۳] تھے، اور نہ تم اُس وقت حاضر تھے

۴۲ – اس تقریر کا اصل مقصد عیسائیوں پر ان کے اِس عقیدے کی غَلَطی واضح کرنا ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور الٰہ سمجھتے ہیں۔ تمہید میں حضرت یحییٰ علیہ السّلام کا ذکر اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح مسیح علیہ السّلام کی ولادت معجزانہ طریقے سے ہوئی تھی، اُسی طرح اُن سے چھ ہی مہینے پہلے اُسی خاندان میں حضرت یحییٰؑ کی پیدائش بھی ایک دُوسری طرح کے معجزے سے ہو چکی تھی۔ اِس سے اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اگر یحییٰؑ کو ان کی اعجازی ولادت نے الٰہ نہیں بنایا تو مسیحؑ محض اپنی غیر معمولی پیدائش کے بل پر الٰہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ

جب اُن کے درمیان جھگڑا برپا تھا۔

اور جب فرشتوں نے کہا: ''اے مریمؑ! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوش خبری دیتا ہے۔ اُس کا نام مسیح عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ ہوگا، دُنیا اور آخرت میں معزّز ہوگا، اللہ کے مقرّب بندوں میں شمار کیا جائے گا، لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی، اور وہ ایک مردِ صالح ہوگا۔'' یہ سُن کر مریم بولی: ''پروردگار! میرے ہاں بچّہ کہاں سے ہوگا، مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔''[۴۴] جواب ملا: ''ایسا ہی ہوگا، اللہ جو چاہتا ہے

۴۳- یعنی قُرعہ اندازی کر رہے تھے۔ اس قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ حضرت مریمؑ کی والدہ نے ان کو خدا کے کام کے لیے ہیکل کی نذر کر دیا تھا۔ اور وہ چونکہ لڑکی تھیں اس لیے یہ ایک نازُک مسئلہ بن گیا تھا کہ ہیکل کے مجاوروں میں سے کس کی سرپرستی میں وہ رہیں۔

۴۴- یعنی باوجود اس کے کہ کسی مرد نے تجھے ہاتھ نہیں لگایا، تیرے ہاں بچّہ پیدا ہوگا۔ یہی لفظ کَذٰلِکَ (ایسا ہی ہوگا) حضرت زَکَرِیّاؑ کے جواب میں بھی کہا گیا تھا۔ اس کا جو مفہوم وہاں ہے، وہی یہاں بھی ہونا چاہیے۔ نیز بعد کا فقرہ بلکہ پچھلا اور اگلا سارا بیان اِسی معنیٰ کی تائید کرتا ہے کہ حضرت مریمؑ کو صِنفی مُواصلت کے بغیر بچّہ پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی اور فی الواقع اِسی صورت سے حضرت عیسیٰؑ کی پیدایش ہوئی۔ ورنہ اگر بات یہی تھی کہ حضرت مریمؑ کے ہاں اُسی معروف فطری طریقے سے بچّہ پیدا ہونے والا تھا جس طرح دنیا میں عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے، اور اگر حضرت عیسیٰؑ کی پیدایش فی الواقع اُسی طرح ہوئی ہوتی، تو یہ سارا بیان قطعی مُہمَل ٹھیرتا ہے جو چوتھے رُکوع سے چھٹے رکوع تک چلا جا رہا ہے، اور وہ تمام بیانات بھی بے معنیٰ قرار پاتے ہیں جو ولادتِ مسیحؑ کے باب میں قرآن کے دُوسرے مقامات پر ہمیں ملتے ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو الٰہ اور ابن اللہ اسی وجہ سے سمجھا تھا کہ ان کی پیدایش غیر فطری طور پر

مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰٮةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ﴿۴۸﴾ؗ وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ اَنِّىۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ۙ اَنِّىۡۤ اَخۡلُقُ لَـكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَیْـــٴَــةِ الطَّيۡرِ فَاَنۡفُخُ فِيۡهِ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًاۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ ۚ وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ

پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔" (فرشتوں نے پھر اپنے سلسلۂ کلام میں کہا:) "اور اللہ اُسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا، توراۃ اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرّر کرے گا۔"

(اور جب وہ بحیثیتِ رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا:) "میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمھارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک مجسّمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھّا کرتا ہوں

بغیر باپ کے ہوئی تھی، اور یہودیوں نے حضرت مریمؑ پر الزام بھی اسی وجہ سے لگایا کہ سب کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک لڑکی غیر شادی شدہ تھی اور اس کے ہاں بچّہ پیدا ہوا۔ اگر یہ سرے سے واقعہ ہی نہ تھا تب ان دونوں گروہوں کے خیالات کی تردید میں بس اتنا کہہ دینا بالکل کافی تھا کہ تم لوگ غلط کہتے ہو، وہ لڑکی شادی شدہ تھی، فُلاں شخص اس کا شوہر تھا، اور اسی کے نُطفے سے عیسٰیؑ پیدا ہوئے تھے۔ یہ مختصر سی دوٹوک بات کہنے کے بجائے آخر اتنی لمبی تمہیدیں اُٹھانے اور پیچ در پیچ باتیں کرنے اور صاف صاف مسیح بن فُلاں کہنے کے بجائے مسیح بن مریم کہنے کی آخر کیا ضرورت تھی، جس سے بات سُلجھنے کے بجائے اور اُلجھ جائے۔ پس جو لوگ قرآن کو کلام اللہ مانتے ہیں اور پھر مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ولادت حسبِ معمول باپ اور ماں کے اِتّصال سے ہوئی تھی، وہ دراصل ثابت یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی اظہارِ مافی الضمیر اور بیانِ مدّعا کی اُتنی قدرت بھی نہیں رکھتا جتنی خود یہ حضرات رکھتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۹﴾ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ

اور مُردے کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ اس میں تمھارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔[۴۵] اور میں اُس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو تورات میں سے اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے۔[۴۶]

---

۴۵ – یعنی یہ علامات تم کو اس امر کا اطمینان دلانے کے لیے کافی ہیں کہ میں اس خدا کا بھیجا ہوا ہوں جو کائنات کا خالق اور حاکمِ ذی اقتدار ہے۔ بشرطیکہ تم حق کو ماننے کے لیے تیار ہو، ہٹ دھرم نہ ہو۔

۴۶ – یعنی یہ میرے فرستادۂ خدا ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ اگر میں اُس کی طرف سے بھیجا ہوا نہ ہوتا بلکہ جھوٹا مدّعی ہوتا تو خود ایک مستقل مذہب کی بنا ڈالتا اور اپنے اِن کمالات کے زور پر تمھیں سابق دین سے ہٹا کر اپنے ایجاد کردہ دین کی طرف لانے کی کوشش کرتا۔ لیکن میں تو اُسی اصل دین کو مانتا ہوں اور اسی تعلیم کو صحیح قرار دے رہا ہوں جو خدا کی طرف سے اس کے پیغمبر مجھ سے پہلے لائے تھے۔

یہ بات کہ مسیح علیہ السلام وہی دین لے کر آئے تھے جو موسیٰ علیہ السلام اور دُوسرے انبیاؑ نے پیش کیا تھا، رائج الوقت اَناجیل میں بھی واضح طور پر ہمیں ملتی ہے۔ مثلاً مَتّی کی رِوایت کے مطابق پہاڑی کے وعظ میں مسیح علیہ السلام صاف فرماتے ہیں:

> ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔“ (۵:۱۷)

ایک یہودی عالم نے حضرت مسیحؑ سے پوچھا کہ احکامِ دین میں اوّلین حکم کون سا ہے؟ جواب میں آپؑ نے فرمایا:

> ”خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبّت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اس کے مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبّت رکھ۔ انھی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاؑ کے صحیفوں کا مدار ہے۔“ (مَتّی ۲۲:۳۷-۴۰)

پھر حضرت مسیحؑ اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں:

> ”فقیہ اور فریسی موسیٰؑ کی گدّی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمھیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو، لیکن ان کے سے کام نہ کرو، کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔“ (مَتّی ۲۳:۲-۳)

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾

اور اس لیے آیا ہوں کہ تمھارے لیے بعض اُن چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں[47]۔ دیکھو، میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی، لہٰذا تم اُسی کی بندگی اختیار کرو، یہی سیدھا راستہ ہے[48]۔"

۴۷ – یعنی تمھارے جُہلا کے توہُّمات، تمھارے فقیہوں کی قانونی مُوشگافیوں، تمھارے رہبانیت پسند لوگوں کے تشدُّدات، اور غیر مسلم قوموں کے غلبہ وتسلُّط کی بدولت تمھارے ہاں اصل شریعتِ الٰہی پر جن قُیود کا اضافہ ہوگیا ہے، مَیں ان کو منسوخ کروں گا اور تمھارے لیے وہی چیزیں حلال اور وہی حرام قرار دوں گا جنھیں اللہ نے حلال یا حرام کیا ہے۔

۴۸ – اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیا علیہم السلام کی طرح حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی دعوت کے بھی بنیادی نِکات یہی تین تھے:

ایک یہ کہ اقتدارِ اعلیٰ، جس کے مقابلے میں بندگی کا رَوِیّہ اختیار کیا جاتا ہے اور جس کی اطاعت پر اَخلاق و تمدُّن کا پورا نظام قائم ہوتا ہے، صرف اللہ کے لیے مختص تسلیم کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اُس مُقتَدَرِ اعلیٰ کے نمایندے کی حیثیت سے نبی کے حکم کی اطاعت کی جائے۔

تیسرے یہ کہ انسانی زندگی کو حِلّت وحُرمت اور جواز وعَدَمِ جواز کی پابندیوں سے جکڑنے والا قانون وضابطہ صرف اللہ کا ہو، دُوسروں کے عائد کردہ قوانین منسوخ کر دیے جائیں۔

پس درحقیقت حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دُوسرے انبیاؑ کے مِشَن میں یک سَرِ مُوفرق نہیں ہے۔ جن لوگوں نے مختلف پیغمبروں کے مختلف مِشن قرار دیے ہیں اور ان کے درمیان مقصد ونوعیّت کے اعتبار سے فرق کیا ہے اُنھوں نے سخت غَلَطی کی ہے۔ مالک المُلک کی طرف سے اُس کی رعیّت کی طرف جو شخص بھی مامور ہو کر آئے گا، اس کے آنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہی نہیں کہ وہ رعایا کو نافرمانی اور خود مختاری سے روکے، اور شرک سے (یعنی اس بات سے کہ وہ اقتدارِ اعلیٰ میں کسی حیثیت سے دُوسروں کو مالک المُلک کے ساتھ

شریک ٹھیرائیں اور اپنی وفاداریوں اور عبادت گزاریوں کو ان میں منقسم کریں) منع کرے، اور اصل مالک کی خالص بندگی واطاعت اور پرستاری ووفاداری کی طرف دعوت دے۔

افسوس ہے کہ موجودہ اناجیل میں مسیح علیہ السلام کے مشن کو اس وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا جس طرح اُوپر قرآن میں پیش کیا گیا ہے۔ تاہم منتشر طور پر اشارات کی شکل میں وہ تینوں بنیادی نکات ہمیں ان کے اندر ملتے ہیں جو اُوپر بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ بات کہ مسیحؑ صرف اللہ کی بندگی کے قائل تھے، ان کے اِس ارشاد سے صاف ظاہر ہوتی ہے:

''تُو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر۔'' (متّی ۴:۱۰)

اور صرف یہی نہیں کہ وہ اس کے قائل تھے بلکہ ان کی ساری کوششوں کا مقصود یہ تھا کہ زمین پر خدا کے امرِ شرعی کی اُسی طرح اطاعت ہو جس طرح آسمان پر اس کے امرِ تکوینی کی اطاعت ہو رہی ہے:

''تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے، زمین پر بھی ہو۔'' (متّی ۶:۱۰)

پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام اپنے آپ کو نبی اور آسمانی بادشاہت کے نمایندے کی حیثیت سے پیش کرتے تھے، اور اسی حیثیت سے لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دیتے تھے، ان کے متعدّد اقوال سے معلوم ہوتی ہے۔ اُنھوں نے جب اپنے وطن ناصرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو ان کے اپنے ہی بھائی بند اور اہلِ شہر ان کی مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس پر متّی، مرقس اور لُوقا تینوں کی مُتّفَقہ روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا۔'' اور جب یروشلم میں ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں اور لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ کہیں اور چلے جائیں تو انھوں نے جواب دیا: ''ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو۔'' (لُوقا ۱۳:۲۳) آخری مرتبہ جب وہ یروشلم میں داخل ہو رہے تھے تو ان کے شاگردوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا: ''مبارک ہے وہ بادشاہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔'' اس پر یہودی علما ناراض ہوئے اور انھوں نے حضرت مسیحؑ سے کہا کہ آپ اپنے شاگردوں کو چُپ کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اگر یہ چُپ رہیں گے تو پتھر چِلّا اُٹھیں گے۔'' (لُوقا ۱۹:۳۸-۴۰) ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

''اے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو! سب میرے پاس آؤ، میں تم کو آرام دوں گا۔

میرا جُوا اپنے اوپر اُٹھا لو...... میرا جُوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا۔'' (متّی ۱۱:۲۸-۳۰)

پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام انسانی ساخت کے قوانین کے بجائے خدائی قانون کی اطاعت کرانا چاہتے تھے، متّی اور مرقس کی اُس روایت سے صاف طور پر مُترشّح ہوتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی علما نے اعتراض کیا کہ آپ کے شاگرد بزرگوں کی روایات کے خلاف ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کیوں کھا لیتے ہیں؟ اس پر حضرت مسیحؑ نے فرمایا: تم ریا کاروں کی حالت وہی ہے جس پر یَسعیاہ نبیؑ کی زبان سے یہ طعنہ دیا گیا ہے کہ ''یہ اُمّت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر اِن کے دل مجھ سے دُور ہیں...... کیونکہ یہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔'' تم لوگ خدا کے حکم کو تو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین کو برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزّت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے، وہ جان سے مارا جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنی ماں یا باپ سے یہ کہہ دے کہ میری جو خدمات تمھارے

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

جب عیسٰیؑ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا: "کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟" حواریوں[۴۹] نے جواب دیا: "ہم اللہ کے مددگار[۵۰] ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، گواہ رہو کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سرِ اطاعت جھکا دینے والے) ہیں۔ مالک! جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی،

کام آ سکتی تھیں، انھیں میں خدا کی نذر کر چکا ہوں، اس کے لیے بالکل جائز ہے کہ پھر ماں یا باپ کی کوئی خدمت نہ کرے۔ (متّی ۱۵: ۳-۹۔ مَرقُس ۷: ۵-۱۳)

۴۹ – "حواری" کا لفظ قریب قریب وہی معنیٰ رکھتا ہے جو ہمارے ہاں "انصار" کا مفہوم ہے۔ بائبل میں بالعُموم حواریوں کے بجائے "شاگردوں" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بعض مَقامات پر انھیں رسول بھی کہا گیا ہے۔ مگر رسول اِس معنیٰ میں کہ مسیح علیہ السّلام ان کو تبلیغ کے لیے بھیجتے تھے، نہ اِس معنیٰ میں کہ خدا نے ان کو رُسول مقرر کیا تھا۔

۵۰ – دینِ اسلام کی اقامت میں حصہ لینے کو قرآنِ مجید میں اکثر مَقامات پر "اللہ کی مدد کرنے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک تشریح طلب مضمون ہے۔ زندگی کے جس دائرے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی عطا کی ہے، اس میں وہ انسان کو کفر یا ایمان، بغاوت یا اطاعت میں سے کسی ایک راہ کے اختیار کرنے پر اپنی خدائی طاقت سے مجبور نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ دلیل اور نصیحت سے انسان کو اس بات کا قائل کرنا چاہتا ہے کہ انکار و نافرمانی اور بغاوت کی آزادی رکھنے کے باوجود اُس کے لیے حق یہی ہے اور اس کی فلاح و نجات کا راستہ بھی یہی ہے کہ اپنے خالق کی بندگی و اطاعت اختیار کرے۔ اس طرح فہمائش اور نصیحت سے بندوں کو راہِ راست پر لانے کی تدبیر کرنا، یہ دراصل اللہ کا کام ہے۔ اور جو بندے اس کام میں اللہ کا ساتھ دیں، اُن کو اللہ اپنا رفیق و مددگار قرار دیتا ہے۔ اور یہ وہ بلند سے بلند مَقام ہے جس پر کسی بندے کی پہنچ ہو سکتی ہے۔ نماز، روزہ اور تمام اقسام کی عبادات میں تو انسان محض بندہ و غلام ہوتا ہے۔ مگر تبلیغِ دین اور اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں بندے کو خدا کی رفاقت و مددگاری کا شَرَف حاصل ہوتا ہے، جو اس دنیا میں رُوحانی ارتقا کا سب سے اونچا مرتبہ ہے۔

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ؑ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ

ع ۵ ۱۳ ۱۴ الثلثۃ
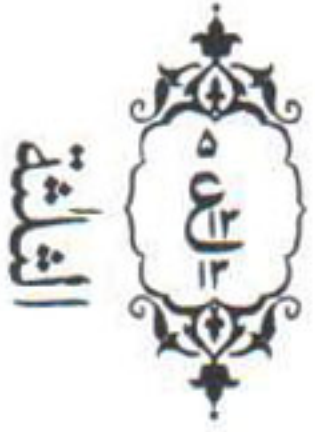
ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"

پھر بنی اسرائیل (مسیح کے خلاف) خفیہ تدبیریں کرنے لگے۔ جواب میں اللہ نے بھی اپنی خُفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے۔ؑ (وہ اللہ کی خفیہ تدبیر ہی تھی) جب اُس نے کہا کہ "اے عیسٰیؑ! اب میں تجھے واپس لے لوں[51] گا اور

۵۱ - اصل میں لفظ "مُتَوَفِّیْکَ" استعمال ہُوا ہے۔ تَوَفّی کے اصل معنٰی لینے اور وُصول کرنے کے ہیں۔ "رُوح قبض کرنا" اس لفظ کا مجازی استعمال ہے، نہ کہ اصل لُغوی معنٰی۔ یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ (to recall) کے معنٰی میں مستعمل ہوا ہے، یعنی کسی عہدہ دار کو اس کے منصب سے واپس بُلا لینا۔ چونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے مسلسل نافرمانیاں کر رہے تھے، بار بار کی تنبیہوں اور فہمایشوں کے باوجود ان کی قومی روش بگڑتی ہی چلی جا رہی تھی، پے در پے کئی انبیاؑ کو قتل کر چکے تھے اور ہر اس بندۂ صالح کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے جو نیکی اور راستی کی طرف انھیں دعوت دیتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجّت تمام کرنے اور انھیں ایک آخری موقع دینے کے لیے حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰی علیہما السّلام جیسے دو جلیل القدر پیغمبروں کو بیک وقت مبعوث کیا، جن کے ساتھ مامور مِنَ اللہ ہونے کی ایسی کُھلی کُھلی نشانیاں تھیں کہ ان سے انکار صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو حق و صداقت سے انتہا درجے کا عِناد رکھتے ہوں اور حق کے مقابلے میں جن کی جسارت و بے باکی حد کو پہنچ چکی ہو۔ مگر بنی اسرائیل نے اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا، اور صرف اتنا ہی نہ کیا کہ ان دونوں پیغمبروں کی دعوت رَدّ کر دی، بلکہ ان کے ایک رئیس نے علی الاعلان حضرت یحیٰیؑ جیسے بلند پایہ انسان کا سر ایک رقّاصہ کی فرمایش پر قلم کرا دیا، اور ان کے علما و فقہا نے سازش کر کے حضرت عیسٰیؑ کو رُومی سلطنت سے سزائے موت دلوانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی فہمایش پر مزید وقت اور قوت صرف کرنا بالکل فضول تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو واپس بُلا لیا اور قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل پر ذلّت کی زندگی کا فیصلہ لکھ دیا۔

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کی یہ پوری تقریر دراصل عیسائیوں کے عقیدۂ اُلوہیّتِ مسیح کی تردید و اصلاح کے لیے ہے۔ اور عیسائیوں میں اس عقیدہ کے پیدا ہونے کے اہم ترین اسباب تین تھے:

(۱) حضرت مسیحؑ کی اعجازی ولادت

(۲) ان کے صریح محسوس ہونے والے معجزات۔

رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۚ

تجھ کو اپنی طرف اُٹھالوں گا اور جنھوں نے تیرا انکار کیا ہے اُن سے (یعنی اُن کی معیّت سے اور اُن کے گندے ماحول میں اُن کے ساتھ رہنے سے) تجھے پاک کر دُوں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر بالا دست رکھوں گا جنھوں نے تیرا انکار کیا ہے۔[۵۲]

(۳) اُن کا آسمان کی طرف اُٹھایا جانا، جس کا ذکر صاف الفاظ میں ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

قرآن نے پہلی بات کی تصدیق کی اور فرمایا کہ مسیحؑ کا بے باپ پیدا ہونا محض اللہ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ اللہ جس کو جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یہ غیر معمولی طریقِ پیدایش ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مسیح خدا تھا یا خدائی میں کچھ بھی حصّہ رکھتا تھا۔

دوسری بات کی بھی قرآن نے تصدیق کی اور خود مسیحؑ کے معجزات ایک ایک کر کے گنائے، مگر بتا دیا کہ یہ سارے کام اُس نے اللہ کے اِذن سے کیے تھے، باختیارِ خود کچھ بھی نہیں کیا، اس لیے ان میں سے بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے تم یہ نتیجہ نکالنے میں کچھ بھی حق بجانب ہو کہ مسیحؑ کا خدائی میں کوئی حصہ تھا۔

اب تیسری بات کے متعلق اگر عیسائیوں کی رِوایت سرے سے بالکل ہی غلط ہوتی، تب تو ان کے عقیدۂ اُلُوہیّتِ مسیح کی تردید کے لیے ضروری تھا کہ صاف صاف کہہ دیا جاتا کہ جسے تم الٰہ اور ابن اللہ بنا رہے ہو، وہ مر کر مٹی میں مل چکا ہے، مزید اطمینان چاہتے ہو تو فُلاں مَقام پر جا کر اس کی قبر دیکھ لو۔ لیکن ایسا کرنے کے بجائے قرآن صرف یہی نہیں کہ ان کی موت کی تصریح نہیں کرتا، اور صرف یہی نہیں کہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو زندہ اُٹھائے جانے کے مفہوم کا کم از کم احتمال تو رکھتے ہی ہیں، بلکہ عیسائیوں کو اُلٹا یہ اور بتا دیتا ہے کہ مسیحؑ سرے سے صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے، یعنی وہ جس نے آخری وقت میں "ایلی ایلی لما شبقتنی" کہا تھا، اور وہ جس کی صلیب پر چڑھی ہوئی حالت کی تصویر تم لیے پھرتے ہو، وہ مسیح نہ تھا، مسیحؑ کو تو اس سے پہلے ہی خدا نے اُٹھا لیا تھا۔

اس کے بعد جو لوگ قرآن کی آیات سے مسیحؑ کی وفات کا مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ دراصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو صاف سُلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب ظاہر کرنے تک کا سلیقہ نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

۵۲ – انکار کرنے والوں سے مراد یہودی ہیں، جن کو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ایمان لانے کی دعوت دی اور انھوں نے اُسے رد کر دیا۔ بخلاف اس کے پیروی کرنے والوں سے مراد اگر صحیح پیروی کرنے والے ہوں تو وہ صرف مسلمان ہیں، اور اگر اس سے مراد فی الجملہ آنجناب کے ماننے والے ہوں تو ان میں عیسائی اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔

ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ٘ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

پھر تم سب کو آخرکار میرے پاس آنا ہے، اُس وقت میں اُن باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں تمھارے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ جن لوگوں نے کفر و انکار کی روش اختیار کی ہے انھیں دنیا اور آخرت دونوں میں سخت سزا دوں گا اور وہ کوئی مددگار نہ پائیں گے، اور جنھوں نے ایمان اور نیک عملی کا رَوِیّہ اختیار کیا ہے انھیں اُن کے اجر پورے پورے دے دیے جائیں گے۔ اور خوب جان لے کہ ظالموں سے اللہ ہرگز محبّت نہیں کرتا۔"

یہ آیات اور حکمت سے لبریز تذکرے ہیں جو ہم تمھیں سُنا رہے ہیں۔ اللہ کے نزدیک عیسٰیؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔[۵۳]

---

۵۳ – یعنی اگر محض اعجازی پیدایش ہی کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کے لیے کافی دلیل ہو، تب تو پھر تمھیں آدمؑ کے متعلق بدرجۂ اَولیٰ ایسا عقیدہ تجویز کرنا چاہیے تھا، کیونکہ مسیحؑ تو صرف بے باپ ہی کے پیدا ہوئے تھے، مگر آدمؑ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

یہ اصل حقیقت ہے جو تمھارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جو اس میں شک کرتے ہیں۔[54]

یہ علم آجانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملے میں تم سے جھگڑا کرے تو اے محمدؐ! اس سے کہو کہ "آؤ، ہم اور تم خود بھی آجائیں اور اپنے اپنے بال بچّوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دُعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو"۔[55]

---

۵۴ – یہاں تک کی تقریر میں جو بُنیادی نِکات عیسائیوں کے سامنے پیش کیے گئے ہیں، اُن کا خلاصہ علی الترتیب حسبِ ذیل ہے:

پہلا امر جو ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ ہے کہ مسیحؑ کی اُلوہیّت کا اعتقاد تمھارے اندر جن وُجوہ سے پیدا ہوا ہے، ان میں سے کوئی وجہ بھی ایسے اعتقاد کے لیے صحیح نہیں ہے۔ ایک انسان تھا جس کو اللہ نے اپنی مَصلحتوں کے تحت مناسب سمجھا کہ غیر معمولی صورت سے پیدا کرے اور اسے ایسے معجزے عطا کرے جو نبوت کی صریح علامت ہوں، اور منکرینِ حق کو اسے صلیب پر نہ چڑھانے دے بلکہ اس کو اپنے پاس اُٹھا لے۔ مالک کو اختیار ہے، اپنے جس بندے کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔ محض اس غیر معمولی برتاؤ کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ خود مالک تھا، یا مالک کا بیٹا تھا، یا مِلکیّت میں اس کا شریک تھا۔

دُوسری اہم بات جو ان کو سمجھائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ مسیحؑ جس چیز کی طرف دعوت دینے آئے تھے، وہ وہی چیز ہے جس کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے ہیں۔ دونوں کے مشن میں یک سرِ مُو فرق نہیں ہے۔

تیسرا بنیادی نکتہ اس تقریر کا یہ ہے کہ مسیحؑ کے بعد ان کے حواریوں کا مذہب بھی یہی اسلام تھا جو قرآن پیش کر رہا ہے۔ بعد کی عیسائیت نہ اس تعلیم پر قائم رہی جو مسیح علیہ السلام نے دی تھی اور نہ اُس مذہب کی پیرو رہی جس کا اتباع مسیحؑ کے حواری کرتے تھے۔

۵۵ – فیصلے کی یہ صُورت پیش کرنے سے دراصل یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ وفدِ نجران جان بُوجھ کر ہٹ دھرمی کر رہا ہے۔ اُوپر کی تقریر میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے کسی کا جواب بھی اُن لوگوں کے پاس نہ تھا۔ مسیحیت کے

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ

ع ۶ ۱۴

یہ بالکل صحیح واقعات ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خداوند نہیں ہے، اور وہ اللہ ہی کی ہستی ہے جس کی طاقت سب سے بالا اور جس کی حکمت نظامِ عالم میں کارفرما ہے۔ پس اگر یہ لوگ (اِس شرط پر مقابلے میں آنے سے) منہ موڑیں تو (اُن کا مفسد ہونا صاف کُھل جائے گا) اور اللہ تو مفسدوں کے حال سے واقف ہی ہے۔ ع

کہو:[۵۶] "اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان

مختلف عقائد میں سے کسی کے حق میں بھی وہ خود اپنی کُتُبِ مقدّسہ کی ایسی سند نہ پاتے تھے جس کی بنا پر کامل یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے کہ ان کا عقیدہ امرِ واقعہ کے عین مطابق ہے اور حقیقت اس کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، آپؐ کی تعلیم اور آپؐ کے کارناموں کو دیکھ کر اکثر اہلِ وفد اپنے دلوں میں آپؐ کی نبوّت کے قائل بھی ہو گئے تھے، یا کم از کم اپنے انکار میں متزلزل ہو چکے تھے۔ اس لیے جب اُن سے کہا گیا کہ اچھا اگر تمھیں اپنے عقیدے کی صداقت کا پورا یقین ہے تو آؤ ہمارے مقابلے میں دعا کرو کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو، تو ان میں سے کوئی اس مقابلے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس طرح یہ بات تمام عرب کے سامنے کُھل گئی کہ نجرانی مسیحیّت کے پیشوا اور پادری، جن کے تقدُّس کا سکّہ دُور دُور تک رواں ہے، دراصل ایسے عقائد کا اتباع کر رہے ہیں جن کی صداقت پر خود انھیں کامل اعتماد نہیں ہے۔

۵۶- یہاں سے ایک تیسری تقریر شروع ہوتی ہے جس کے مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنگِ بَدر اور جنگِ اُحد کے درمیانی دَور کی ہے۔ لیکن ان تینوں تقریروں کے درمیان مطالب کی ایسی قریبی مناسبت پائی جاتی ہے کہ شروع سُورت سے لے کر یہاں تک کسی جگہ ربطِ کلام ٹوٹتا نظر نہیں آتا۔ اسی بنا پر بعض مفسّرین کو شبہ ہوا ہے کہ یہ بعد کی آیات بھی وفدِ نَجران والی تقریر ہی کے سلسلے کی ہیں۔ مگر یہاں سے جو تقریر شروع ہو رہی ہے، اس کا انداز صاف بتا رہا ہے کہ اس کے مخاطَب یہُودی ہیں۔

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

یکساں ہے[۵۷] یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے‘‘ — اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔

اے اہلِ کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں ہم سے کیوں جھگڑا کرتے ہو؟ تورات اور انجیل تو ابراہیمؑ کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے[۵۸] — تم لوگ جن چیزوں کا علم رکھتے ہو اُن میں تو خوب بحثیں کر چکے، اب ان معاملات میں کیوں بحث کرنے چلے ہو جن کا تمھارے پاس کچھ بھی علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے،

---

۵۷ – یعنی ایک ایسے عقیدے پر ہم سے اتفاق کر لو جس پر ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جس کے صحیح ہونے سے تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔ تمھارے اپنے انبیاؑ سے یہی عقیدہ منقول ہے۔ تمھاری اپنی کُتُبِ مقدسہ میں اس کی تعلیم موجود ہے۔

۵۸ – یعنی تمھاری یہ یہودیت اور یہ نصرانیت بہرحال تورات اور انجیل کے نُزُول کے بعد پیدا ہوئی ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کے نزول سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔ اب ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جس مذہب پر تھے، وہ بہرحال یہودیت یا نصرانیت تو نہ تھا۔ پھر اگر حضرت

وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتۡ طَّآٮِٕفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾

تم نہیں جانتے۔ ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک مُسلِم[۵۹] یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔" ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق اگر کسی کو پہنچتا ہے تو اُن لوگوں کو پہنچتا ہے جنھوں نے اس کی پیروی کی اور اب یہ نبیؐ اور اس کے ماننے والے اِس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اللہ صرف اُنھی کا حامی و مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔

(اے ایمان لانے والو!) اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمھیں راہِ راست سے ہٹا دے، حالانکہ درحقیقت وہ اپنے سوا کسی کو گمراہی میں نہیں ڈال رہے ہیں مگر انھیں اس کا شُعور نہیں ہے۔ اے اہلِ کتاب! کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود ان کا مشاہدہ کر رہے[۶۰] ہو؟

ابراہیمؑ راہِ راست پر تھے اور نجات یافتہ تھے، تو لامحالہ اس سے لازم آتا ہے کہ آدمی کا راہِ راست پر ہونا اور نجات پانا یہودیّت و نصرانیت کی پیروی پر موقوف نہیں ہے۔ (مُلاحظہ ہو: سورۂ بقرہ، حاشیہ ۱۳۵ و ۱۴۱)

۵۹ – اصل میں لفظ حَنیف استعمال ہوا ہے، جس سے مراد ایسا شخص ہے جو ہر طرف سے رُخ پھیر کر ایک خاص راستے پر چلے۔ اسی مفہوم کو ہم نے "مسلِم یک سُو" سے ادا کیا ہے۔

۶۰ – دوسرا ترجمہ اس فقرے کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "تم خود گواہی دیتے ہو" دونوں صورتوں میں نفسِ معنیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی، اور صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں پر آپؐ کی تعلیم و تربیّت کے حیرت انگیز

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ ۚ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ

ع ۸/۱۵

اے اہلِ کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مُشتبَہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بُوجھتے حق کو چُھپاتے ہو؟ ع

اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبیؐ کے ماننے والوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کر دو، شاید اس ترکیب سے یہ لوگ اپنے ایمان سے پھر جائیں[61]۔ نیز یہ لوگ آپس میں کہتے ہیں کہ اپنے مذہب والے کے سوا کسی کی بات نہ مانو۔ اے نبیؐ! ان سے کہہ دو کہ "اصل میں ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے اور یہ اُسی کی دین ہے کہ کسی کو وہی کچھ دے دیا جائے جو کبھی تم کو دیا گیا تھا، یا یہ کہ دُوسروں کو تمھارے رب کے حُضور پیش کرنے کے لیے تمھارے خلاف قوی حجت مل جائے۔" اے نبیؐ! ان سے کہو کہ

اثرات، اور وہ بلند پایہ مضامین جو قرآن میں ارشاد ہو رہے تھے، یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی ایسی روشن آیات تھیں کہ جو شخص انبیاءؑ کے احوال اور کُتُبِ آسمانی کے طرز سے واقف ہو، اس کے لیے ان آیات کو دیکھ کر آنحضرتؐ کی نبوّت میں شک کرنا بہت ہی مشکل تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ بہت سے اہلِ کتاب (خصوصاً ان کے اہلِ علم) یہ جان چکے تھے کہ حضورؐ وہی نبی ہیں جن کی آمد کا وعدہ انبیائے سابقین نے کیا تھا، حتّٰی کہ کبھی کبھی حق کی زبردست طاقت سے مجبور ہو کر ان کی زبانیں آپؐ کی صداقت اور آپؐ کی پیش کردہ تعلیم کے برحق ہونے کا اعتراف تک کر گزرتی تھیں۔ اسی وجہ سے قرآن بار بار ان کو الزام دیتا ہے کہ اللہ کی جن آیات کو تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، جن کی حقانیت پر تم خود گواہی دیتے ہو، ان کو تم قصداً اپنے نفس کی شرارت سے جھٹلا رہے ہو۔

الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ ۚ
يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾
وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا
دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى

"فضل و شرف اللہ کے اختیار میں ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔ وہ وسیع النظر[۶۲] ہے اور سب کچھ جانتا ہے،[۶۳] اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اس کا فضل بہت بڑا ہے۔"

اہلِ کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے اعتماد پر مال و دولت کا ایک ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمھارا مال تمھیں ادا کر دے گا، اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملے میں بھی اس پر بھروسا کرو تو وہ ادا نہ کرے گا اِلّا یہ کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ۔ ان کی اس اخلاقی حالت کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: "اُمّیوں (غیر یہودی لوگوں) کے معاملے میں

۶۱ – یہ اُن چالوں میں سے ایک چال تھی جو اطرافِ مدینہ کے رہنے والے یہودیوں کے لیڈر اور مذہبی پیشوا اسلام کی دعوت کو کمزور کرنے کے لیے چلتے رہتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو بددل کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عامّۂ خلائق کو بدگمان کرنے کے لیے خفیہ طور پر آدمیوں کو تیار کر کے بھیجنا شروع کیا، تاکہ پہلے عَلانِیَہ اسلام قبول کریں، پھر مرتد ہو جائیں، پھر جگہ جگہ لوگوں میں یہ مشہور کرتے پھریں کہ ہم نے اسلام میں اور مسلمانوں میں اور ان کے پیغمبر میں یہ اور یہ خرابیاں دیکھی ہیں، تب ہی تو ہم ان سے الگ ہو گئے۔

۶۲ – اصل میں لفظ "وَاسِع" استعمال ہوا ہے، جو بالعموم قرآن میں تین مواقع پر آیا کرتا ہے۔ ایک وہ موقع جہاں انسانوں کے کسی گروہ کی تنگ خیالی و تنگ نظری کا ذکر آتا ہے اور اُسے اس حقیقت پر مُتنَبِّہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اللہ تمھاری طرح تنگ نظر نہیں ہے۔ دُوسرا وہ موقع جہاں کسی کے بُخل اور تنگ دلی اور کم حوصلگی پر ملامت کرتے ہوئے یہ بتانا ہوتا ہے کہ اللہ فراخ دست ہے، تمھاری طرح بخیل نہیں ہے۔ تیسرا وہ موقع جہاں لوگ اپنے تخیُّل کی تنگی کے سبب سے اللہ کی طرف کسی قسم کی محدودیّت منسوب کرتے ہیں اور انھیں یہ بتانا ہوتا ہے کہ اللہ غیر محدود ہے۔ (مُلاحظہ ہو: سورۂ بقرہ، حاشیہ ۱۱۶)

الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷۶ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠

ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔[۶۴]" اور یہ بات وہ محض جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی ہے۔ آخر کیوں اُن سے باز پُرس نہ ہو گی؟ جو بھی اپنے عہد کو پُورا کرے گا اور بُرائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا، کیونکہ پرہیزگار لوگ اللہ کو پسند ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں، اللہ قیامت کے روز نہ اُن سے بات کرے گا نہ اُن کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا،[۶۵]

۶۳ – یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ کون فضل و شرف کا مستحق ہے۔

۶۴ – یہ محض یہودی عوام ہی کا جاہلانہ خیال نہ تھا، بلکہ اُن کے ہاں کی مذہبی تعلیم بھی یہی کچھ تھی، اور ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے فقہی احکام ایسے ہی تھے۔ بائبل قرض اور سُود کے احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان صاف تفریق کرتی ہے۔ (اِستثنا ۱۵: ۱-۳، ۲۳: ۲۰) تَلمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کردے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کرے تو اس پر تاوان ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ گردو پیش آبادی کن لوگوں کی ہے۔ اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے، غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہیے۔ رِبّی اشمٰعیل کہتا ہے کہ اگر اُمّی اور اسرائیلی کا مقدّمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کو جتوا سکتا ہو تو اُس کے مطابق جتوائے اور کہے کہ یہ ہمارا قانون ہے۔ اور اگر اُمّیوں کے قانون کے تحت جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جِتوائے اور کہے کہ یہ تمھارا قانون ہے۔ اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کر سکتا ہو، کرے۔ رِبّی شموایل کہتا ہے کہ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ (تالمودِک مِسّلینی، پال آئزک ہرشوں، لندن ۱۸۸۰ء، صفحات ۳۷-۲۱۰-۲۲۱)

۶۵ – سبب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے ایسے سخت اَخلاقی جرائم کرنے کے بعد بھی اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا

بلکہ اُن کے لیے تو سخت دردناک سزا ہے۔

اُن میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا اُلٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے، حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں[٦٦] ہوتی، وہ کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا، وہ جان بُوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے

کے روز بس یہی اللہ کے مقرّب بندے ہوں گے، انھی کی طرف نظرِ عنایت ہوگی، اور جو تھوڑا بہت گناہوں کا مَیل دنیا میں ان کو لگ گیا ہے، وہ بھی بزرگوں کے صدقے میں ان پر سے دھو ڈالا جائے گا، حالانکہ دراصل وہاں ان کے ساتھ بالکل برعکس معاملہ ہوگا۔

٦٦۔ اس کا مطلب اگرچہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کتابِ الٰہی کے معانی میں تحریف کرتے ہیں، یا الفاظ کا اُلٹ پھیر کر کے کچھ سے کچھ مطلب نکالتے ہیں، لیکن اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کو پڑھتے ہوئے کسی خاص لفظ یا فقرے کو، جو اُن کے مفاد یا اُن کے خود ساختہ عقائد و نظریّات کے خلاف پڑتا ہو، زبان کی گردش سے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ اس کی نظیریں قرآن کو ماننے والے اہلِ کتاب میں بھی مفقود نہیں ہیں۔ مثلاً بعض لوگ جو نبیؐ کی بَشَرِیّت کے منکر ہیں، آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں اِنَّمَآ کو اِنَّ مَا پڑھتے ہیں اور اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ "اے نبیؐ! کہہ دو کہ تحقیق نہیں ہوں میں بشر تم جیسا۔"

رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا

ربّانی[۶۷] بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمھیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو؟[۶۸] ع

یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ "آج ہم نے تمھیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس اُسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہُوا آئے جو

۶۷ – یہودیوں کے ہاں جو علما مذہبی عہدہ دار ہوتے تھے اور جن کا کام مذہبی اُمور میں لوگوں کی رہنمائی کرنا اور عبادات کے قیام اور احکامِ دین کا اجرا کرنا ہوتا تھا، ان کے لیے لفظ رَبّانی استعمال کیا جاتا تھا، جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد ہوا ہے: لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ (ان کے ربّانی اور ان کے علما ان کو گناہ کی باتیں کرنے اور حرام کے مال کھانے سے کیوں نہ روکتے تھے)۔ اسی طرح عیسائیوں کے ہاں لفظ (divine) بھی "رَبّانی" کا ہی ہم معنیٰ ہے۔

۶۸ – یہ اُن تمام غلط باتوں کی ایک جامع تردید ہے جو دُنیا کی مختلف قوموں نے خدا کی طرف سے آئے ہوئے پیغمبروں کی طرف منسوب کر کے اپنی مذہبی کتابوں میں شامل کر دی ہیں اور جن کی رُو سے کوئی پیغمبر یا فرشتہ کسی نہ کسی طرح خدا اور معبُود قرار پاتا ہے۔ ان آیات میں یہ قاعدہ کُلِّیّہ بتایا گیا ہے کہ ایسی کوئی تعلیم جو اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی و پرستش سکھاتی ہو اور کسی بندے کو بندگی کی حد سے بڑھا کر خدائی کے مقام تک لے جاتی ہو، ہرگز کسی پیغمبر کی دی ہوئی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ جہاں کسی مذہبی کتاب میں یہ چیز نظر آئے، سمجھ لو کہ یہ گمراہ کُن لوگوں کی تحریفات کا نتیجہ ہے۔

مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ

پہلے سے تمھارے پاس موجود ہے، تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔[۶۹]" یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پُوچھا: "کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمّہ داری اُٹھاتے ہو؟" اُنھوں نے کہا: "ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔" اللہ نے فرمایا: "اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں، اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔[۷۰]"

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دینُ اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟

۶۹ — مطلب یہ ہے کہ ہر پیغمبر سے اس امر کا عہد لیا جاتا رہا ہے ـــــ اور جو عہد پیغمبر سے لیا گیا ہو، وہ لامحالہ اس کے پیرووں پر بھی آپ سے آپ عائد ہو جاتا ہے ـــــ کہ جو نبی ہماری طرف سے اُس دین کی تبلیغ و اقامت کے لیے بھیجا جائے جس کی تبلیغ و اقامت پر تم مامور ہوئے ہو، اس کا تمھیں ساتھ دینا ہوگا۔ اُس کے ساتھ تعصّب نہ برتنا، اپنے آپ کو دین کا اجارہ دار نہ سمجھنا، حق کی مُخالفَت نہ کرنا، بلکہ جہاں جو شخص بھی ہماری طرف سے حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے اُٹھایا جائے، اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا۔

یہاں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اسی بنا پر ہر نبی نے اپنی اُمّت کو بعد کے آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ لیکن نہ قرآن میں نہ حدیث میں، کہیں بھی اس امر کا پتا نہیں چلتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عہد لیا گیا ہو، یا آپؐ نے اپنی اُمّت کو کسی بعد کے آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔

۷۰ — اس ارشاد سے مقصود اہلِ کتاب کو مُتنبِّہ کرنا ہے کہ تم اللہ کے عہد کو توڑ رہے ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور ان کی مخالفت کر کے اُس میثاق کی خلاف ورزی کر رہے ہو جو تمھارے انبیاءؑ سے لیا گیا تھا، لہٰذا اب تم فاسق ہو چکے ہو، یعنی اللہ کی اطاعت سے نکل گئے ہو۔

وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّاِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾ قُلۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَالنَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۸۵﴾

حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابعِ فرمان (مُسلِم) ہیں[۱۷] اور اُسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے؟ اے نبیؐ! کہو کہ ”ہم اللہ کو مانتے ہیں، اُس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اُن تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل ہوئی تھیں، اور اُن ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دُوسرے پیغمبروں کو اُن کے رب کی طرف سے دی گئیں۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے[۲۷] اور ہم اللہ کے تابعِ فرمان (مُسلِم) ہیں۔“ اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔

۱۷ – یعنی تمام کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا دین تو یہی اسلام، یعنی اللہ کی اطاعت و بندگی ہے، اب تم اس کائنات کے اندر رہتے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر اور کون سا طریقۂ زندگی تلاش کر رہے ہو؟

۲۷ – یعنی ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے کہ کسی نبی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، کسی کو جُھوٹا کہیں اور کسی کو سچّا۔ ہم تعَصُّب اور حمِیّتِ جاہلیّہ سے پاک ہیں۔ دُنیا میں جہاں، جو اللہ کا بندہ بھی اللہ کی طرف سے حق لے کر آیا ہے، ہم اس کے برحق ہونے پر شہادت دیتے ہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ

کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو ہدایت بخشے جنھوں نے نعمتِ ایمان پا لینے کے بعد پھر کفر اختیار کیا حالانکہ وہ خود اس بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسُول حق پر ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آچکی ہیں[۷۳]۔ اللہ ظالموں کو تو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ان کے ظلم کا صحیح بدلہ یہی ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے، اِسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی اور نہ انھیں مُہلت دی جائے گی۔ البتہ وہ لوگ بچ جائیں گے جو اِس کے بعد توبہ کر کے اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں، اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ مگر جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے[۷۴] ان کی توبہ بھی

۷۳ — یہاں پھر اُسی بات کا اعادہ کیا گیا ہے جو اس سے قبل بارہا بیان کی جا چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے یہودی علما جان چکے تھے اور ان کی زبانوں تک سے اس امر کی شہادت ادا ہو چکی تھی کہ آپؐ نبیِ برحق ہیں، اور جو تعلیم آپؐ لائے ہیں، وہ وہی تعلیم ہے جو پچھلے انبیاؑ لاتے رہے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے جو کچھ کیا، وہ محض تعصّب، ضد اور دُشمنیِ حق کی اُس پُرانی عادت کا نتیجہ تھا جس کے وہ صدیوں سے مجرم چلے آرہے تھے۔

۷۴ — یعنی صرف انکار ہی پر بس نہ کی، بلکہ عملاً مخالفت و مزاحمت بھی کی، لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنے کی کوشش

تَوۡبَتُهُمۡ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ وَّمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۹۱﴾ ع

الجزء ۴

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ ۵

قبول نہ ہوگی، ایسے لوگ تو پکّے گمراہ ہیں۔ یقین رکھو، جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں جان دی اُن میں سے کوئی اگر اپنے آپ کو سزا سے بچانے کے لیے رُوئے زمین بھر کر بھی سونا فدیے میں دے تو اُسے قبول نہ کیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک سزا تیار ہے اور وہ اپنا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ ع

تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو،[۷۵]

میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگایا، شبہات پیدا کیے، بدگمانیاں پھیلائیں، دلوں میں وسوسے ڈالے، اور بدترین سازشیں اور ریشہ دوانیاں کیں، تاکہ نبی کا مشن کسی طرح کامیاب نہ ہونے پائے۔

۷۵ – اس سے مقصود اُن کی اس غلط فہمی کو دُور کرنا ہے جو وہ ''نیکی'' کے بارے میں رکھتے تھے۔ ان کے دماغوں میں نیکی کا بلند سے بلند تصوّر بس یہ تھا کہ صدیوں کے توارُث سے ''تشرُّع'' کی جو ایک خاص ظاہری شکل ان کے ہاں بن گئی تھی، اس کا پورا چربہ آدمی اپنی زندگی میں اُتار لے، اور ان کے علما کی قانونی مُوشگافیوں سے جو ایک لمبا چوڑا فقہی نظام بن گیا تھا، اس کے مطابق رات دن زندگی کے چھوٹے چھوٹے ضمنی و فُرُوعی معاملات کی ناپ تول کرتا رہے۔ اس تشرُّع کی اُوپری سطح کے نیچے بالعموم یہودیوں کے بڑے بڑے ''دین دار'' لوگ تنگ دلی، حرص، بُخل، حق پوشی اور حق فروشی کے عُیُوب چھُپائے ہوئے تھے اور رائے عام ان کو نیک سمجھتی تھی۔ اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اُنھیں بتایا جارہا ہے کہ ''نیک انسان'' ہونے کا مقام اُن چیزوں سے بالاتر ہے جن کو تم نے مدارِ خیر و صلاح سمجھ رکھا ہے۔ نیکی کی اصل رُوح خدا کی محبّت ہے، ایسی محبّت کہ رضائے الٰہی کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ ہو۔ جس چیز کی محبّت بھی آدمی کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ اسے خدا کی محبّت پر قربان نہ کر سکتا ہو، بس وہی بُت ہے، اور جب تک اُس بُت کو آدمی توڑ نہ دے، نیکی کے دروازے اس پر بند ہیں۔ اس رُوح سے خالی ہونے کے بعد ظاہری تشرُّع کی حیثیت محض اُس چمک دار روغن کی سی ہے جو گُھن کھائی ہوئی لکڑی پر پھیر دیا گیا ہو۔ انسان ایسے روغنوں سے دھوکا کھا سکتے ہیں، مگر خدا نہیں کھا سکتا۔

وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾ کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىۃُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىۃِ فَاتۡلُوۡہَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟ قف

وقف جبریل علیہ السلام

اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہو گا۔

کھانے کی یہ ساری چیزیں (جو شریعت محمدیؐ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں[۷۶]، البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنھیں تورات کے نازل کیے جانے سے پہلے اسرائیل[۷۷] نے خود اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ ان سے کہو: اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچّے ہو تو لاؤ تورات اور پیش کرو اس کی کوئی عبارت ـــــ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنی جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے رہیں وہی درحقیقت ظالم ہیں۔ کہو: اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے،

۷۶ – قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر جب علمائے یہود کوئی اُصولی اعتراض نہ کر سکے (کیونکہ اساسِ دین جن اُمور پر ہے، اُن میں انبیائے سابقین کی تعلیمات اور نبی عَرَبیؐ کی تعلیم میں یک سرِ مُو فرق نہ تھا) تو انھوں نے فقہی اعتراضات شروع کیے۔ اس سلسلے میں ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپؐ نے کھانے پینے کی بعض ایسی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو پچھلے انبیاؑ کے زمانے سے حرام چلی آ رہی ہیں۔ اسی اعتراض کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے۔

۷۷ – ''اسرائیل'' سے مراد اگر بنی اسرائیل لیے جائیں تو مطلب یہ ہو گا کہ نُزولِ تورات سے قبل بعض چیزیں بنی اسرائیل نے محض رسماً حرام قرار دے لی تھیں۔ اور اگر اس سے مراد حضرت یعقوبؑ لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آنجناب نے بعض چیزوں سے طبعی کراہت کی بنا پر یا کسی مرض کی بنا پر احتراز فرمایا تھا اور ان کی اولاد نے بعد میں انھیں ممنوع سمجھ لیا۔ یہی مؤخر الذکر روایت زیادہ مشہور ہے۔ اور بعد والی آیت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ اُونٹ اور خرگوش وغیرہ کی حُرمت کا جو حکم بائبل میں لکھا ہے، وہ اصل تورات کا حکم نہیں ہے بلکہ یہودی علما نے بعد میں اسے داخلِ کتاب کر دیا ہے۔ (مفصل بحث کے لیے مُلاحَظہ ہو: سورۂ اَنعام، حاشیہ ۱۲۲)

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ

تم کو یکسُو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرنی چاہیے، اور ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔[۷۸]

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکّہ میں واقع ہے۔[۷۹] اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھُلی ہُوئی نشانیاں ہیں،[۸۰] ابراہیمؑ کا مقامِ عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو

۷۸ – مطلب یہ ہے کہ اِن فقہی جزئیات میں کہاں جا پھنسے ہو۔ دین کی جڑ تو اللہ واحد کی بندگی ہے جسے تم نے چھوڑ دیا اور شرک کی آلایشوں میں مُبتلا ہو گئے۔ اب بحث کرتے ہو فقہی مسائل میں، حالانکہ یہ وہ مسائل ہیں جو اصل ملّتِ ابراہیمی سے ہٹ جانے کے بعد انحطاط کی طویل صدیوں میں تمھارے علما کی مُوشگافیوں سے پیدا ہوئے ہیں۔

۷۹ – یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تم نے بیت المَقدِس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ کیوں بنایا، حالانکہ پچھلے انبیاؑ کا قبلہ بیت المَقدِس ہی تھا۔ اس کا جواب سورۂ بَقرہ میں دیا جا چکا ہے۔ لیکن یہودی اس کے بعد بھی اپنے اعتراض پر مُصِر رہے۔ لہٰذا یہاں پھر اس کا جواب دیا گیا ہے۔ بیت المَقدِس کے متعلق خود بائبل ہی کی شہادت موجود ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ساڑھے چار سو برس بعد حضرت سلیمانؑ نے اس کو تعمیر کیا۔ (۱-سلاطین، باب ۶، آیت ۱) اور حضرت سلیمانؑ ہی کے زمانے میں وہ قبلۂ اہلِ توحید قرار دیا گیا۔ (کتابِ مذکور، باب ۸، آیت ۲۹-۳۰) برعکس اس کے یہ تمام عرب کی متواتر اور مُتَّفَق عَلَیہ رِوایات سے ثابت ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا، اور وہ حضرت موسیٰؑ سے آٹھ نو سو برس پہلے گزرے ہیں۔ لہٰذا کعبہ کی اوّلیت ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی کلام کی گنجایش نہیں۔

۸۰ – یعنی اس گھر میں ایسی صریح علامات پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی جناب میں مقبول ہوا ہے اور اسے اللہ نے اپنے گھر کی حیثیت سے پسند فرما لیا ہے۔ لَق ودَق بیابان میں بنایا گیا اور پھر اللہ نے اس کے جوار میں رہنے والوں کی رزق رسانی کا بہتر سے بہتر انتظام کر دیا۔ ڈھائی ہزار برس تک جاہلیّت کے سبب سے سارا ملکِ عرب انتہائی بدامنی کی حالت میں مبتلا رہا، مگر اس فساد بھری سرزمین میں کعبہ اور اطرافِ کعبہ ہی کا ایک خِطّہ ایسا تھا جس میں امن قائم رہا۔ بلکہ اسی کعبہ کی یہ برکت تھی کہ سال بھر میں چار مہینے کے لیے پورے ملک کو اس کی بدولت امن میسّر آ جاتا تھا۔ پھر ابھی نصف صدی پہلے ہی

دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اِس میں داخل ہوا مامون ہو گیا۔[81] لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

کہو: اے اہلِ کتاب! تم کیوں اللہ کی باتیں ماننے سے انکار کرتے ہو؟ جو حرکتیں تم کر رہے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کہو: اے اہلِ کتاب! یہ تمھاری کیا روش ہے کہ جو اللہ کی بات مانتا ہے اُسے بھی تم اللہ کے راستے سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھی راہ چلے، حالانکہ تم خود (اس کے راہِ راست ہونے پر) گواہ ہو۔ تمھاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔

سب دیکھ چکے تھے کہ اَبْرَہَہ نے جب کعبہ کی تخریب کے لیے مکّہ پر حملہ کیا تو اس کی فوج کس طرح قہرِ الٰہی کی شکار ہوئی۔ اس واقعے سے اُس وقت عرب کا بچّہ بچّہ واقف تھا اور اس کے چشم دید شاہد اِن آیات کے نُزول کے وقت موجود تھے۔

۸۱ – جاہلیّت کے تاریک دَور میں بھی اس گھر کا یہ احترام تھا کہ خون کے پیاسے دُشمن ایک دوسرے کو وہاں دیکھتے تھے اور ایک کو دوسرے پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم نے اِن اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمھیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ تمھارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سُنائی جا رہی ہیں اور تمھارے درمیان اس کا رسولؐ موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہِ راست پالے گا۔ع

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔[۸۲] سب مِل کر اللہ کی رسّی[۸۳] کو مضبوط پکڑلو اور تفرقے میں نہ پڑو۔

---

۸۲ – یعنی مرتے دَم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہو۔

۸۳ – اللہ کی رسّی سے مراد اس کا دین ہے، اور اس کو رسّی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے، اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ اس رسّی کو ”مضبوط پکڑنے“ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیّت ”دین“ کی ہو، اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اسی کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجّہات اور دلچسپیاں جُزئیات وفُروع کی طرف منعطف ہوئیں، پھر ان میں لازماً وہی تفرِقہ واختلاف رُونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیا علیہم السّلام کی اُمّتوں کو ان کے

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ

اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دُوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمھارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔[۸۴] اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمھارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ اِن علامتوں سے تمھیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آ جائے۔[۸۵]

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بُلائیں، بھلائی کا

اصل مقصدِ حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔

۸۴ – یہ اشارہ ہے اُس حالت کی طرف جس میں اسلام سے پہلے اہلِ عرب مبتلا تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتیں، بات بات پر ان کی لڑائیاں، اور شب و روز کے کُشت و خون، جن کی بدولت قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست و نابود ہو جاتی۔ اس آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انھیں بچایا تو وہ یہی نعمتِ اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں، اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینے کے لوگ مسلمان ہوئے تھے، اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت سب دیکھ رہے تھے کہ اَوس اور خَزرَج کے وہ قبیلے، جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، باہم مل کر شیر و شکر ہو چکے تھے، اور یہ دونوں قبیلے مکے سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایثار و محبّت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔

۸۵ – یعنی اگر تم آنکھیں رکھتے ہو تو ان علامتوں کو دیکھ کر خود اندازہ کر سکتے ہو کہ آیا تمھاری فلاح اِس دین کو مضبوط تھامنے میں ہے، یا اسے چھوڑ کر پھر اُسی حالت کی طرف پلٹ جانے میں جس کے اندر تم پہلے مبتلا تھے؟ آیا تمھارا اصلی خیرخواہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہے، یا وہ یہودی اور مشرک اور منافق لوگ جو تم کو حالتِ سابقہ کی طرف پلٹا لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں؟

بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ

حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔ کہیں تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کُھلی کُھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔[۸۶] جنھوں نے یہ روش اختیار کی وہ اُس روز سخت سزا پائیں گے جب کہ کچھ لوگ سُرخ رُو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا۔ جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا کہ) نعمتِ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رَوِیّہ اختیار کیا؟ اچھا تو اب اِس کفرانِ نعمت کے صلے میں عذاب کا مزا چکھو۔ رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کو اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ یہ اللہ کے ارشادات ہیں جو ہم تمھیں ٹھیک ٹھیک سُنا رہے ہیں

---

۸۶ – یہ اشارہ اُن اُمّتوں کی طرف ہے جنھوں نے خدا کے پیغمبروں سے دینِ حق کی صاف اور سیدھی تعلیمات پائیں مگر کچھ مدّت گزر جانے کے بعد اساسِ دین کو چھوڑ دیا اور غیر متعلق ضمنی و فروعی مسائل کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنانے شروع کر دیے، پھر فضول ولایعنی باتوں پر جھگڑنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ نہ اُنھیں اُس کام کا ہوش رہا جو اللہ نے ان کے سُپرد کیا تھا، اور نہ عقیدہ و اَخلاق کے اُن بنیادی اُصُولوں سے کوئی دلچسپی رہی جن پر درحقیقت انسان کی فلاح و سعادت کا مدار ہے۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ

ع ۱۱ ۸ ۲

کیونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔[۸۷] زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ ع

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔[۸۸] تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہلِ کتاب[۸۹] ایمان لاتے تو انھی کے حق میں بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ

۸۷ – یعنی چونکہ اللہ دُنیا والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا، اس لیے وہ ان کو سیدھا راستہ بھی بتا رہا ہے اور اِس بات سے بھی انھیں قبل از وقت آگاہ کیے دیتا ہے کہ آخرِ کار وہ کن اُمور پر اُن سے باز پرس کرنے والا ہے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کج روی اختیار کریں اور اپنے غلط طرزِ عمل سے باز نہ آئیں، وہ اپنے اُوپر آپ ظلم کریں گے۔

۸۸ – یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بَقَرہ کے سترھویں رُکوع میں بیان ہو چکا ہے۔ نبیِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی امامت و رہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی نا اہلی کے باعث معزول کیے جا چکے ہیں، اس پر اب تم مامور کیے گئے ہو۔ اس لیے کہ اَخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہوگئی ہیں جو امامتِ عادلہ کے لیے ضروری ہیں، یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ وعمل اور اللہ وحدہٗ لاشریک کو اعتقاداً وعملاً اپنا الٰہ اور رب تسلیم کرنا۔ لٰہذا اب یہ کام تمھارے سُپرد کیا گیا ہے اور تمھیں لازم ہے کہ اپنی ذمّہ داریوں کو سمجھو اور اُن غَلطیوں سے بچو جو تمھارے پیش رَو کر چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ بقرہ، حاشیہ ۱۲۳ و ۱۴۴)

۸۹ – یہاں اہلِ کتاب سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔

الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ

ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں، مگر ان کے بیشتر افراد نافرمان ہیں۔ یہ تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، زیادہ سے زیادہ بس کچھ ستا سکتے ہیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں گے تو مقابلے میں پیٹھ دکھائیں گے، پھر ایسے بے بس ہوں گے کہ کہیں سے ان کو مدد نہ ملے گی۔ یہ جہاں بھی پائے گئے اِن پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اَور بات ہے[۹۰]۔ یہ اللہ کے غضب میں گِھر چکے ہیں، ان پر محتاجی و مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے، اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انھوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔

مگر سارے اہلِ کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہِ راست پر قائم ہیں،

---

۹۰ – یعنی دنیا میں اگر کہیں ان کو تھوڑا بہت امن چین نصیب بھی ہوا ہے تو وہ ان کے اپنے بل بُوتے پر قائم کیا ہوا امن و چین نہیں ہے، بلکہ دوسروں کی حمایت اور مہربانی کا نتیجہ ہے۔ کہیں کسی مسلم حکومت نے ان کو خدا کے نام پر امان دے دی، اور کہیں کسی غیر مسلم حکومت نے اپنے طور پر انھیں اپنی حمایت میں لے لیا۔ اسی طرح بسا اوقات انھیں دُنیا میں کہیں زور پکڑنے کا موقع بھی مل گیا ہے، لیکن وہ بھی اپنے زورِ بازو سے نہیں بلکہ محض ”بپائے مردی ہمسایہ“۔

يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ

راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، بُرائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ یہ صالح لوگ ہیں اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی، اللہ پرہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے کفر کا رویّہ اختیار کیا تو اللہ کے مقابلے میں ان کو نہ ان کا مال کچھ کام دے گا نہ اولاد، وہ تو آگ میں جانے والے لوگ ہیں اور آگ ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو کچھ وہ اپنی اس دُنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اُس کی مثال اُس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہے اور اسے برباد کر کے رکھ دے[91]۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا،

۹۱ – اس مثال میں کھیتی سے مراد یہ کِشتِ حیات ہے جس کی فصل آدمی کو آخرت میں کاٹنی ہے۔ ہَوا سے مراد وہ اُوپری جذبۂ خیر ہے جس کی بنا پر کفار رفاہِ عام کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صَرف کرتے ہیں۔ اور پالے سے مراد صحیح ایمان اور ضابطۂ خداوندی کی پیروی کا فُقدان ہے، جس کی وجہ سے ان کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ

وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا

درحقیقت یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دُوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمھاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اُٹھانے میں نہیں چُوکتے۔[92] تمھیں جس چیز سے

اس تمثیل سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہَوا کھیتیوں کی پرورش کے لیے مفید ہے لیکن اگر اسی ہَوا میں پالا ہو تو وہ کھیتی کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تباہ کر ڈالتی ہے، اسی طرح خیرات بھی اگرچہ انسان کے مَزرَعۂ آخرت کو پرورش کرنے والی چیز ہے، مگر جب اس کے اندر کفر کا زہر ملا ہوا ہو تو یہی خیرات مفید ہونے کے بجائے اُلٹی مہلک بن جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا مالک اللہ ہے، اور اُس مال کا مالک بھی اللہ ہی ہے جس میں انسان تصرُّف کر رہا ہے، اور یہ مملکت بھی اللہ ہی کی ہے جس کے اندر رہ کر انسان کام کر رہا ہے۔ اب اگر اللہ کا یہ غلام اپنے مالک کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم نہیں کرتا، یا اس کی بندگی کے ساتھ کسی اور کی ناجائز بندگی بھی شریک کرتا ہے، اور اللہ کے مال اور اس کی مملکت میں تصرُّف کرتے ہوئے اس کے قانون و ضابطہ کی اطاعت نہیں کرتا، تو اس کے یہ تمام تصرُّفات از سرتاپا جُرم بن جاتے ہیں۔ اجر ملنا کیسا، وہ تو اس کا مستحق ہے کہ اِن تمام حرکات کے لیے اس پر فوجداری کا مقدّمہ قائم کیا جائے۔ اُس کی خیرات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نوکر اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اس کا خزانہ کھولے اور جہاں جہاں اپنی دانست میں مناسب سمجھے، خرچ کر ڈالے۔

۹۲- مدینے کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے، ان کے ساتھ اَوس اور خَزرَج کے لوگوں کی قدیم زمانے سے دوستی چلی آتی تھی۔ انفرادی طور پر بھی اِن قبیلوں کے افراد اُن کے افراد سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، اور قبائلی حیثیت سے بھی یہ اور وہ ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف تھے۔ جب اَوس اور خَزرَج کے قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ وہی پُرانے تعلقات نباہتے رہے اور ان کے افراد اپنے سابق یہودی دوستوں سے اسی مَحبّت و خلوص کے ساتھ ملتے رہے۔ لیکن یہودیوں کو نبی عَرَبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مشن سے جو عداوت ہو گئی تھی، اس کی بنا پر وہ کسی ایسے شخص سے مخلصانہ مَحبّت رکھنے کے لیے تیار نہ تھے جو اس نئی تحریک میں شامل ہو گیا ہو۔ انھوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آتے تھے، مگر دل میں وہ اب ان کے سخت دشمن ہو چکے تھے، اور اس ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ و فساد برپا کر دیں، اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک

مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۘ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا ؕ

نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمھیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان سے تعلّق رکھنے میں احتیاط برتو گے)۔ تم ان سے محبّت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبّت نہیں رکھتے، حالانکہ تم تمام کُتُبِ آسمانی کو مانتے ہو۔[۹۳] جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمھارے رسول اور تمھاری کتاب کو) مان لیا ہے، مگر جب جُدا ہوتے ہیں تو تمھارے خلاف ان کے غیظ وغضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں ـــــ ان سے کہہ دو کہ اپنے غصے میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چُھپے ہوئے راز تک جانتا ہے ـــــ تمھارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے، اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی تدبیر تمھارے خلاف کارگر نہیں ہوسکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔

پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں ان کی اسی منافقانہ رَوِش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت فرما رہا ہے۔

۹۳ – یعنی یہ عجیب ماجرا ہے کہ شکایت بجائے اِس کے کہ تمھیں اُن سے ہوتی، اُن کو تم سے ہے۔ تم تو

ع ۱۲ / ۳

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ

جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اُس پر حاوی ہے۔ ع

(اے[۹۴] پیغمبرؐ! مسلمانوں کے سامنے اُس موقع کا ذکر کرو) جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (اُحُد کے میدان میں) مسلمانوں کو جنگ کے لیے جا بجا مامور کر رہے تھے۔

قرآن کے ساتھ تورات کو بھی مانتے ہو، اس لیے اُن کو تم سے شکایت ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ شکایت اگر ہو سکتی تھی تو تمھیں اُن سے ہو سکتی تھی کیونکہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔

۹۴- یہاں سے چوتھا خطبہ شروع ہوتا ہے۔ یہ جنگِ اُحُد کے بعد نازل ہوا ہے اور اس میں جنگِ اُحُد پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اُوپر کے خطبے کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ ''ان کی کوئی تدبیر تمھارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی، بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔'' اب چونکہ اُحُد کے میدان میں مسلمانوں کی شکست کا سبب ہی یہ ہوا کہ ان کے اندر صبر کی بھی کمی تھی اور ان کے افراد سے بعض ایسی غَلَطیاں بھی سرزد ہوئی تھیں جو خدا ترسی کے خلاف تھیں، اس لیے یہ خطبہ جس میں اُنھیں ان کمزوریوں پر مُتَنَبِّہ کیا گیا ہے، مندرجہ بالا فقرے کے بعد ہی متصلاً درج کیا گیا۔

اس خطبے کا اندازِ بیان یہ ہے کہ جنگِ اُحُد کے سلسلے میں جتنے اہم واقعات پیش آئے تھے، ان میں سے ایک ایک کو لے کر اس پر چند جچے تُلے فقروں میں نہایت سبق آموز تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس کے واقعاتی پَس منظر کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

شوّال ۳ھ کی ابتدا میں کفارِ قریش تقریباً ۳ ہزار کا لشکر لے کر مدینے پر حملہ آور ہوئے۔ تعداد کی کثرت کے علاوہ ان کے پاس ساز و سامان بھی مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا، اور پھر وہ جنگِ بَدر کے انتقام کا شدید جوش بھی رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تجربہ کار صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ مدینے میں محصور ہو کر مُدَافَعت کی جائے۔ مگر چند نوجوانوں نے، جو شہادت کے شوق سے بے تاب تھے اور جنھیں بَدر کی جنگ میں شریک ہونے کا موقع نہ ملا تھا، باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا۔ آخرِ کار اُن کے اصرار سے مجبور ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکلنے ہی کا فیصلہ فرما لیا۔ ایک ہزار آدمی آپؐ کے ساتھ نکلے، مگر مقامِ شَوط پر پہنچ کر عبداللہ ابنِ اُبَیّ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ عین وقت پر اس کی اس حرکت سے مسلمانوں کے لشکر میں اچھا خاصا اضطراب پھیل گیا، حتّٰی کہ بنو سَلِمہ اور بنو حارِثہ کے لوگ تو ایسے دل شکستہ ہوئے کہ انھوں نے بھی پلٹ جانے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر پھر اُولُوا العزم صحابہؓ کی کوششوں سے یہ اضطراب رفع ہو گیا۔ اِن باقی ماندہ سات سو آدمیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اُحُد کی پہاڑی کے دامن میں (مدینہ سے تقریباً چار میل کے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢١﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

اللہ ساری باتیں سنتا ہے اور وہ نہایت باخبر ہے۔

یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بُزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے[95] تھے، حالانکہ

فاصلے پر) اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ پہاڑ پشت پر تھا اور قریش کا لشکر سامنے۔ پہلو میں صرف ایک درّہ ایسا تھا جس سے اچانک حملے کا خطرہ ہوسکتا تھا۔ وہاں آپؐ نے عبداللہؓ بن جُبیر کے زیرِ قیادت پچاس تیرانداز بٹھا دیے اور ان کو تاکید کر دی کہ "کسی کو ہمارے قریب نہ پھٹکنے دینا، کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا، اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے نوچے لیے جاتے ہیں تب بھی تم اس جگہ سے نہ ٹلنا۔" اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ ابتداءً مسلمانوں کا پلّا بھاری رہا، یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح کی حد تک پہنچانے کے بجائے مسلمان مالِ غنیمت کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور انھوں نے دشمن کے لشکر کو لُوٹنا شروع کر دیا۔ اُدھر جن تیراندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا، انھوں نے جو دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے اور غنیمت لُٹ رہی ہے، تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت کی طرف لپکے۔ حضرت عبداللہؓ بن جُبیر نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم یاد دلا کر بہتیرا روکا، مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ ٹھیرا۔ اس موقع سے خالد بن ولید نے، جو اس وقت لشکرِ کفار کے رسالے کی کمان کر رہے تھے، بروقت فائدہ اُٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر پہلو کے درّے سے حملہ کر دیا۔ عبداللہؓ بن جُبیر نے، جن کے ساتھ صرف چند ہی آدمی رہ گئے تھے، اس حملے کو روکنا چاہا مگر مُدافعت نہ کر سکے اور یہ سیلاب یکایک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ دُوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے، وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہو گئے۔ اس طرح لڑائی کا پانسا ایک دم پلٹ گیا اور مسلمان اس غیر متوقع صورتِ حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ ان کا ایک بڑا حصّہ پراگندہ ہو کر بھاگ نکلا۔ تاہم چند بہادر سپاہی ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اُڑ گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ اس خبر نے صحابہؓ کے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم کر دیے اور باقی ماندہ لوگ بھی ہمّت ہار کر بیٹھ گئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش صرف دس بارہ جاں نثار رہ گئے تھے اور آپؐ خود زخمی ہو چکے تھے۔ شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ لیکن عین وقت پر صحابہؓ کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آپؐ کے گرد جمع ہو گئے اور آپؐ کو بسلامت پہاڑی کی طرف لے گئے۔ اس موقع پر یہ ایک مُعمّا ہے جو حل نہیں ہو سکا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے کفارِ مکہ کو خود بخود واپس پھیر دیا۔ مسلمان اس قدر پراگندہ ہو چکے تھے کہ ان کا پھر مجتمع ہو کر باقاعدہ جنگ کرنا مشکل تھا۔ اگر کفار اپنی فتح کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو ان کی کامیابی بعید نہ تھی۔ مگر نہ معلوم کس طرح وہ آپ ہی آپ میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

ربع

اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ آخر اس سے پہلے جنگِ بدر میں اللہ تمھاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، اُمید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے: "کیا تمھارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اُتار کر تمھاری مدد کرے؟"[۹۶] ـــــ بے شک، اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمھارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اُسی آن تمھارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحبِ نشان فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا۔ یہ بات اللہ نے تمھیں اس لیے بتا دی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمھارے دل مطمئن ہو جائیں۔ فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے

۹۵ – یہ اشارہ ہے بنوسَلَمہ اور بنوحارثہ کی طرف، جن کی ہمتیں عبداللہ بن اُبَیّ اور اس کے ساتھیوں کی واپسی کے بعد پست ہو گئی تھیں۔

۹۶ – مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایک طرف دشمن تین ہزار ہیں اور ہمارے ایک ہزار میں سے بھی تین سو الگ ہو گئے ہیں، تو ان کے دل ٹوٹنے لگے۔ اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ الفاظ کہے تھے۔

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے۔ (اور یہ مدد وہ تمھیں اس لیے دے گا) تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے، یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔

(اے پیغمبرؐ!) فیصلے کے اختیارات میں تمھارا کوئی حصّہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انھیں معاف کرے، چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہے، جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، وہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔[97] ع

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا اور چڑھتا سُود کھانا چھوڑ دو[98] اور اللہ سے ڈرو،

۹۷- نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی ہوئے تو آپؐ کے منہ سے کفار کے حق میں بددُعا نکل گئی اور آپؐ نے فرمایا کہ ”وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کو زخمی کرے۔“ یہ آیات اسی کے جواب میں ارشاد ہوئی ہیں۔

۹۸- اُحُد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لُوٹنے میں لگ گئے۔ اس لیے حکیمِ مُطلَق نے اس حالت کی اصلاح کے لیے زر پرستی کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا اور حکم دیا کہ سُود خواری سے باز آؤ، جس میں آدمی رات دن اپنے نفع کے بڑھنے اور چڑھنے کا حساب لگاتا رہتا ہے، اور جس کی وجہ سے آدمی کے اندر روپے کی حرص بے حد بڑھتی

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا

اُمید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے مہیّا کی گئی ہے اور اللہ اور رسُول کا حکم مان لو، توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ دَوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمھارے رب کی بخشش اور اُس جنّت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خدا ترس لوگوں کے لیے مہیّا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصّے کو پی جاتے ہیں اور دُوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ــــ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں[99] ــــ اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فُحش کام

چلی جاتی ہے۔

۹۹ - سُود خواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے، اس کے اندر سُود خواری کی وجہ سے دو قسم کے اَخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں: سُود لینے والوں میں حرص و طمع، بُخل اور خود غرضی۔ اور سُود دینے والوں میں نفرت، غصّہ اور بُغض وحسد۔ اُحُد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصّہ شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ سُود خواری سے فریقین میں جو اَخلاقی اوصاف پیدا ہوتے ہیں، ان کے بالکل برعکس اِنفاق فی سبیل اللہ سے یہ دُوسری قسم کے اوصاف پیدا ہوا کرتے ہیں، اور اللہ کی بخشش اور اس کی جنت اسی دُوسری قسم کے اوصاف سے حاصل ہو سکتی ہے، نہ کہ پہلی قسم کے اوصاف سے۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: سورۂ بقرہ، حاشیہ ۳۲۰)

فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ

ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اُوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں ــــ کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو ــــ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انھیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے۔ تم سے پہلے بہت سے دَور گزر چکے ہیں، زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ اُن لوگوں کا کیا انجام ہوا جنھوں نے (اللہ کے احکام و ہدایات) کو جھٹلایا۔ یہ لوگوں کے لیے ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں اُن کے لیے ہدایت اور نصیحت۔

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اِس وقت اگر

يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۰ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۱ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۲ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ

تمھیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمھارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔[100] یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا تھا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچّے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں[101] ـــــ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں ـــــ اور وہ اِس آزمائش کے ذریعے سے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یُونہی جنّت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔ تم تو موت کی تمنّائیں کر رہے تھے! مگر یہ اُس وقت کی بات تھی جب

۱۰۰ – اشارہ ہے جنگِ بَدر کی طرف۔ اور کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اُس چوٹ کو کھا کر کافر پست ہمّت نہ ہوئے تو اس چوٹ پر تم کیوں ہمّت ہارو۔

۱۰۱ – اصل الفاظ ہیں: وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ – اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم میں سے کچھ شہید لینا چاہتا تھا، یعنی کچھ لوگوں کو شہادت کی عزّت بخشنا چاہتا تھا۔ اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان اور منافقین کے اُس مخلوط گروہ میں سے، جس پر تم اِس وقت مُشتمل ہو، اُن لوگوں کو الگ چھانٹ لینا چاہتا تھا جو حقیقت میں شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ہیں، یعنی اُس منصبِ جلیل کے اہل ہیں جس پر ہم نے اُمّتِ مسلمہ کو سرفراز کیا ہے۔

اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ

موت سامنے نہ آئی تھی، لو اب وہ تمھارے سامنے آ گئی اور تم نے اُسے آنکھوں دیکھ لیا۔[۱۰۲] ع

محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسُول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟[۱۰۳] یاد رکھو! جو اُلٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انھیں وہ اس کی جزا دے گا۔

کوئی ذی رُوح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔[۱۰۴]

۱۰۲- اشارہ ہے شہادت کے اُن تمنائیوں کی طرف جن کے اصرار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔

۱۰۳- جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو اکثر صحابہؓ کی ہمتیں چھوٹ گئیں۔ اس حالت میں منافقین نے (جو مسلمانوں کے ساتھ ہی لگے ہوئے تھے) کہنا شروع کیا کہ چلو عبداللہ بن اُبَیّ کے پاس چلیں، تاکہ وہ ہمارے لیے ابوسُفیان سے امان لے دے۔ اور بعض نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ اگر محمدؐ خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے، چلو اب دینِ آبائی کی طرف لوٹ چلیں۔ انھی باتوں کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمھاری ''حق پرستی'' محض محمدؐ کی شخصیت سے وابستہ ہے اور تمھارا اسلام ایسا سُست بنیاد ہے کہ محمدؐ کے دُنیا سے رخصت ہوتے ہی تم اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس سے نکل کر آئے تھے، تو اللہ کے دین کو تمھاری ضرورت نہیں ہے۔

۱۰۴- اس سے یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرنا مقصود ہے کہ موت کے خوف سے تمھارا بھاگنا فضول ہے۔ کوئی شخص نہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت سے پہلے مر سکتا ہے اور نہ اس کے بعد جی سکتا ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ

جو شخص ثوابِ دُنیا کے ارادے سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے، اور جو ثوابِ آخرت[105] کے ارادے سے کام کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے[106] والوں کو ہم اُن کی جزا ضرور عطا کریں گے۔ اِس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مِل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں اُن پر پڑیں ان سے وہ

لہٰذا تم کو فکر موت سے بچنے کی نہیں بلکہ اس بات کی ہونی چاہیے کہ زندگی کی جو مُہلت بھی تمھیں حاصل ہے، اس میں تمھاری سعی و جُہد کا مقصود کیا ہے، دنیا یا آخرت؟

۱۰۵- ثواب کے معنیٰ ہیں نتیجۂ عمل۔ ثوابِ دُنیا سے مراد وہ فوائد و مَنافع ہیں جو انسان کو اُس کی سعی و عمل کے نتیجے میں اِسی دُنیا کی زندگی میں حاصل ہوں۔ اور ثوابِ آخرت سے مراد وہ فوائد و مَنافع ہیں جو اسی سعی و عمل کے نتیجے میں آخرت کی پائدار زندگی میں حاصل ہوں گے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے انسانی اَخلاق کے معاملے میں فیصلہ کُن سوال یہی ہے کہ کارزارِ حیات میں آدمی جو دَوڑ دھوپ کر رہا ہے، اس میں آیا وہ دُنیوی نتائج پر نگاہ رکھتا ہے یا اُخروی نتائج پر۔

۱۰۶- ''شکر کرنے والوں'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اِس نعمت کے قدر شناس ہوں کہ اُس نے دین کی صحیح تعلیم دے کر انھیں دُنیا اور اس کی محدود زندگی سے بہت زیادہ وسیع، ایک ناپیدا کنار عالَم کی خبر دی، اور انھیں اس حقیقت سے آگاہی بخشی کہ انسانی سعی و عمل کے نتائج صرف اس دنیا کی چند سالہ زندگی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ اس زندگی کے بعد ایک دُوسرے عالَم تک ان کا سلسلہ دراز ہوتا ہے۔ یہ وسعتِ نظر اور یہ دُور بینی و عاقبت اندیشی حاصل ہو جانے کے بعد جو شخص اپنی کوششوں اور محنتوں کو اِس دُنیوی زندگی کے ابتدائی مرحلے میں بارآور ہوتے نہ دیکھے، یا ان کا برعکس نتیجہ نکلتا دیکھے، اور اس کے باوجود اللہ کے بھروسے پر وہ کام کرتا چلا جائے جس کے متعلق اللہ نے اسے یقین دلایا ہے کہ بہرحال آخرت میں اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلے گا، وہ شکر گزار بندہ ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اس کے بعد بھی دنیا پرستی کی تنگ نظری میں مُبتلا رہیں، جن کا حال یہ ہو کہ دنیا میں جن غلط کوششوں کے بظاہر اچھے نتائج نکلتے نظر آئیں، ان کی طرف وہ آخرت کے بُرے نتائج کی پروا کیے بغیر جھک پڑیں، اور جن صحیح کوششوں کے یہاں بارآور ہونے کی اُمید نہ ہو، یا جن سے یہاں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، اُن میں آخرت کے نتائجِ خیر کی اُمید پر اپنا وقت، اپنے مال اور اپنی قوتیں

دل شکستہ نہیں ہوئے، انھوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے۔[107] ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ ان کی دُعا بس یہ تھی کہ "اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے معاف کر دے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔" آخرکار اللہ نے ان کو دُنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثوابِ آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔ ع

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اُن لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تم کو اُلٹا پھیر لے جائیں[108] گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔

صَرف کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، وہ ناشکرے ہیں اور اُس علم کے ناقدر شناس ہیں جو اللہ نے انھیں بخشا ہے۔

۱۰۷ – یعنی اپنی قلّتِ تعداد اور بے سروسامانی، اور کفار کی کثرت اور زور آوری دیکھ کر انھوں نے باطل پرستوں کے آگے سپر نہیں ڈالی۔

۱۰۸ – یعنی جس کفر کی حالت سے تم نکل کر آئے ہو، اُسی میں یہ تمھیں پھر واپس لے جائیں گے۔ منافقین اور یہودی اُحد کی شکست کے بعد مسلمانوں میں یہ خیال پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ محمدؐ اگر واقعی نبی ہوتے تو شکست کیوں کھاتے۔ یہ تو ایک معمولی آدمی ہیں۔ ان کا معاملہ بھی دوسرے آدمیوں کی طرح ہے۔ آج فتح ہے تو کل

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا

(اُن کی باتیں غلط ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمھارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرینِ حق کے دلوں میں رُعب بٹھا دیں گے، اس لیے کہ اُنھوں نے اللہ کے ساتھ اُن کو خدائی میں شریک ٹھیرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اُن کا آخری ٹھکانا جہنّم ہے اور بہت ہی بُری ہے وہ قیام گاہ جو اُن ظالموں کو نصیب ہو گی۔

اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اُس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اُس کے حکم سے تم ہی اُن کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمھیں دکھائی جس کی محبّت میں تم گرفتار تھے (یعنی مالِ غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے—اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے—تب اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی

شکست۔ خدا کی جس حمایت و نصرت کا انھوں نے تم کو یقین دلا رکھا ہے، وہ محض ایک ڈھونگ ہے۔

عَنۡكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡٓ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّا ۢ بِغَمٍّ لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌ ۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً

تمھیں معاف ہی کر دیا[۱۰۹] کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظرِ عنایت رکھتا ہے۔

یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمھیں نہ تھا، اور رسولؐ تمھارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔[۱۱۰] اُس وقت تمھاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمھیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیے[۱۱۱] تاکہ آیندہ کے لیے تمھیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمھارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو۔ اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی

۱۰۹- یعنی تم نے غلطی تو ایسی کی تھی کہ اگر اللہ تمھیں معاف نہ کر دیتا تو اس وقت تمھارا اِستیصال ہو جاتا۔ یہ اللہ کا فضل تھا اور اس کی تائید و حمایت تھی جس کی بدولت تمھارے دشمن تم پر قابو پا لینے کے بعد ہوش گم کر بیٹھے اور بلا وجہ خود پسپا ہو کر چلے گئے۔

۱۱۰- جب مسلمانوں پر اچانک دو طرف سے بیک وقت حملہ ہوا اور ان کی صفوں میں ابتری پھیل گئی، تو کچھ لوگ مدینے کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ اُحُد پر چڑھ گئے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ دُشمنوں کا چاروں طرف ہجوم تھا، دس بارہ آدمیوں کی مٹھی بھر جماعت پاس رہ گئی تھی، مگر اللہ کا رسُول اس نازک موقع پر بھی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا اور بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا: اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ ، اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔

۱۱۱- رنج ہزیمت کا، رنج اس خبر کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، رنج اپنے کثیر التعداد مقتولوں اور مجروحوں کا، رنج اس بات کا کہ اب گھروں کی بھی خیر نہیں، تین ہزار دشمن، جن کی تعداد مدینے کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ

کہ وہ اُونگھنے لگے[112]۔ مگر ایک دوسرا گروہ، جس کے لیے ساری اہمیّت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلاف حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ ”اِس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصّہ ہے“؟ ان سے کہو: ”(کسی کا کوئی حصّہ نہیں) اِس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔“ دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھُپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ ”اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصّہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔“ ان سے کہہ دو کہ ”اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہُوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نِکل آتے۔“ اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمھارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ

ہے، شکست خوردہ فوج کو روندتے ہوئے قصبے میں آ گھُسیں گے اور سب کو تباہ کر دیں گے۔

۱۱۲– یہ ایک عجیب تجربہ تھا جو اس وقت لشکرِ اسلام کے بعض لوگوں کو پیش آیا۔ حضرت ابو طلحہؓ جو اس جنگ میں شریک تھے، خود بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں ہم پر اُونگھ کا ایسا غلبہ ہو رہا تھا کہ تلواریں ہاتھ سے چھُوٹی پڑتی تھیں۔

صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَ

ع ۱۶/۷

اُسے آزمالے اور جو کھوٹ تمھارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

تم میں سے جو لوگ مقابلے کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے اُن کی اِس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے اُن کے قدم ڈگمگا دیے تھے۔ اللہ نے انھیں معاف کر دیا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔ ع

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، کافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثے سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔ اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت و اندوہ کا سبب بنا دیتا ہے،[113] ورنہ دراصل مارنے اور جلانے والا تو

۱۱۳ – یعنی یہ باتیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قضائے الٰہی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی۔ مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سب کچھ اپنی تدبیروں ہی پر موقوف سمجھتے ہیں، ان کے لیے اس قسم کے قیاسات بس داغِ حسرت بن کر رہ جاتے ہیں اور وہ ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں کہ کاش! یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا۔

يُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ

اللہ ہی ہے اور تمھاری تمام حرکات پر وہی نگراں ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمھارے حصے میں آئے گی وہ اُن ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنھیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہرحال تم سب کو سمٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے۔

(اے پیغمبرؐ!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خُو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ اِن کے قُصور معاف کردو، اِن کے حق میں دُعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو، پھر جب تمھارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تمھاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد

فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَ مَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَ اللّٰہِ کَمَنۡۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ مَاۡوٰىہُ جَہَنَّمُ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۶۲﴾ ہُمۡ دَرَجٰتٌ

کون ہے جو تمھاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچّے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔

کسی نبی کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ خیانت کر جائے[114] ــــــ اور جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا، پھر ہر مُتنفّس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مِل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہو گا ــــــ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص ہمیشہ اللہ کی رضا پر چلنے والا ہو وہ اُس شخص کے سے کام کرے جو اللہ کے غضب میں گِھر گیا ہو اور جس کا آخری ٹھکانا جہنّم ہو جو بد ترین ٹھکانا ہے؟ اللہ کے نزدیک

---

۱۱۴ - جن تیر اندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عَقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا، انھوں نے جب دیکھا کہ دُشمن کا لشکر لُوٹا جا رہا ہے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ساری غنیمت انھی لوگوں کو نہ مل جائے جو اسے لُوٹ رہے ہیں اور ہم تقسیم کے موقع پر محروم رہ جائیں۔ اسی بنا پر انھوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے اُن لوگوں کو بُلا کر اس نافرمانی کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے جواب میں کچھ عُذرات پیش کیے جو نہایت کمزور تھے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: بل ظننتم انا نغل ولا نقسم لکم۔ ’’اصل بات یہ ہے کہ تم کو ہم پر اطمینان نہ تھا، تم نے یہ گمان کیا کہ ہم تمھارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو حصّہ نہیں دیں گے۔‘‘ اس آیت کا اشارہ اسی معاملے کی طرف ہے۔ ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ جب تمھاری فوج کا کمانڈر خود اللہ کا نبی تھا اور سارے معاملات اس کے ہاتھوں میں تھے، تو تمھارے دل میں یہ اندیشہ پیدا کیسے ہوا کہ نبی کے ہاتھ میں تمھارا مفاد محفوظ نہ ہو گا۔ کیا خدا کے پیغمبر سے یہ توقع رکھتے ہو کہ جو مال اس کی نگرانی میں ہو، وہ دیانت، امانت اور انصاف کے سوا

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

النصف

دونوں قسم کے آدمیوں میں بدرجہا فرق ہے اور اللہ سب کے اعمال پر نظر رکھتا ہے۔
درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات انھیں سُناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔
اور یہ تمھارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے: یہ کہاں سے آئی؟[115] حالانکہ (جنگِ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمھارے ہاتھوں (فریقِ مخالف پر) پڑ چکی ہے۔[116]

کسی اور طریقے سے بھی تقسیم ہو سکتا ہے؟

۱۱۵ – اکابر صحابہؓ تو خیر حقیقت شناس تھے اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکتے تھے، مگر عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ جب اللہ کا رسولؐ ہمارے درمیان موجود ہے اور اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے، تو کسی حال میں کفار ہم پر فتح پا ہی نہیں سکتے۔ اس لیے جب اُحد میں ان کو شکست ہوئی تو ان کی توقعات کو سخت صدمہ پہنچا اور انھوں نے حیران ہو کر پوچھنا شروع کیا کہ یہ کیا ہوا؟ ہم اللہ کے دین کی خاطر لڑنے گئے، اس کا وعدۂ نصرت ہمارے ساتھ تھا، اُس کا رسول خود میدانِ جنگ میں موجود تھا، اور پھر بھی ہم شکست کھا گئے؟ اور شکست بھی اُن سے جو اللہ کے دین کو مٹانے آئے تھے؟ یہ آیات اِسی حیرانی کو دُور کرنے کے لیے ارشاد ہوئی ہیں۔

۱۱۶ – جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے ۷۰ آدمی شہید ہوئے۔ بخلاف اس کے جنگِ بدر میں کفار کے ۷۰ آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور ۷۰ آدمی گرفتار ہو کر آئے تھے۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

اے نبیؐ! اِن سے کہو: یہ مصیبت تمھاری اپنی لائی ہوئی ہے،[117] اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔[118] جو نقصان لڑائی کے دن تمھیں پہنچا وہ اللہ کے اِذن سے تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ دیکھ لے تم میں سے مومن کون ہیں اور منافق کون۔ وہ منافق کہ جب اُن سے کہا گیا، آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) مدافعت ہی کرو، تو کہنے لگے: اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔[119] یہ بات جب وہ کہہ رہے تھے اُس وقت وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے

۱۱۷– یعنی یہ تمھاری اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا، بعض کام تقوٰی کے خلاف کیے، حکم کی خلاف ورزی کی، مال کی طمع میں مبتلا ہوئے، آپس میں نزاع و اختلاف کیا، پھر کیوں پُوچھتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟

۱۱۸– یعنی اللہ اگر تمھیں فتح دینے کی قدرت رکھتا ہے تو شکست دلوانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

۱۱۹– عبداللہ بن اُبَیّ جب تین سو منافقوں کو اپنے ساتھ لے کر راستے سے پلٹنے لگا تو بعض مسلمانوں نے جا کر اُسے سمجھانے کی کوشش کی اور ساتھ چلنے کے لیے راضی کرنا چاہا۔ مگر اس نے جواب دیا کہ ہمیں یقین ہے کہ آج جنگ نہیں ہوگی، اس لیے ہم جا رہے ہیں، ورنہ اگر ہمیں توقع ہوتی کہ آج جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔

بِمَا یَکۡتُمُوۡنَ ﴿۱۶۷﴾ۚ اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ۙ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ وَ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ مِّنۡ خَلۡفِہِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ۘ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾ۚ

وقف لازم

ع ۱۷ / ۸

خُوب جانتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور ان کے جو بھائی بند لڑنے گئے اور مارے گئے ان کے متعلق انھوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔ ان سے کہو: اگر تم اپنے اس قول میں سچّے ہو تو خود تمھاری موت جب آئے اُسے ٹال کر دکھا دینا۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہُوئے ہیں انھیں مُردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں،[۱۲۰] اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے اُس پر خوش و خُرّم ہیں، اور مطمئن ہیں[۱۲۱] کہ جو اہلِ ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ ع

۱۲۰ – تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: سورۂ بقرہ، حاشیہ ۱۵۵۔

۱۲۱ – مُسندِ احمد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مروی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص نیک عمل لے کر

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسُول کی پُکار پر لبّیک کہا[۱۲۲] اُن میں جو اشخاص نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اُن کے لیے بڑا اجر ہے۔ اور وہ جن[۱۲۳] سے لوگوں نے کہا کہ "تمھارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، اُن سے ڈرو"، تو یہ سُن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور اُنھوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے، ان کو کسی قسم کا

دُنیا سے جاتا ہے، اُسے اللہ کے ہاں اس قدر پُرلُطف اور پُرکیف زندگی میسّر آتی ہے جس کے بعد وہ کبھی دنیا میں واپس آنے کی تمنّا نہیں کرتا۔ مگر شہید اس سے مُستثنیٰ ہے۔ وہ تمنّا کرتا ہے کہ پھر دنیا میں بھیجا جائے اور پھر اُس لذّت، اُس سُرور اور اُس نشے سے لُطف اندوز ہو جو راہِ خدا میں جان دیتے وقت حاصل ہوتا ہے۔

۱۲۲ – جنگِ اُحُد سے پلٹ کر جب مشرکین کئی منزل دُور چلے گئے تو انھیں ہوش آیا اور انھوں نے آپس میں کہا: یہ ہم نے کیا حرکت کی کہ محمدؐ کی طاقت کو توڑ دینے کا جو بیش قیمت موقع ملا تھا، اُسے کھو کر چلے آئے۔ چنانچہ ایک جگہ ٹھیر کر انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مدینے پر فوراً ہی دوسرا حملہ کر دیا جائے۔ لیکن پھر ہمّت نہ پڑی اور مکہ واپس چلے گئے۔ ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ کہیں پھر نہ پلٹ آئیں۔ اس لیے جنگِ اُحُد کے دوسرے ہی دن آپؐ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ کفار کے تعاقب میں چلنا چاہیے۔ یہ اگرچہ نہایت نازک موقع تھا، مگر پھر بھی جو سچے مومن تھے، وہ جان نثار کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حَمراء الاسد تک گئے، جو مدینے سے ۸ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس آیت کا اشارہ انھی فدا کاروں کی طرف ہے۔

۱۲۳ – یہ چند آیات جنگِ اُحُد کے ایک سال بعد نازل ہوئی تھیں، مگر چونکہ ان کا تعلق اُحُد ہی کے سلسلہ

لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ

ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شَرف بھی انھیں حاصل ہو گیا، اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اب تمھیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آیندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔[۱۲۴]

(اے پیغمبرؐ!) جو لوگ آج کفر کی راہ میں بڑی دَوڑ دھوپ کر رہے ہیں، ان کی سرگرمیاں تمھیں آزردہ نہ کریں، یہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ

واقعات سے تھا، اس لیے ان کو بھی اس خطبے میں شامل کر دیا گیا۔

۱۲۴ – اُحُد سے پلٹتے ہوئے ابوسُفیان مسلمانوں کو چیلنج دے گیا تھا کہ آیندہ سال بَدر میں ہمارا تمھارا پھر مقابلہ ہوگا۔ مگر جب وعدے کا وقت قریب آیا تو اس کی ہمّت نے جواب دے دیا، کیونکہ اُس سال مکّے میں قحط تھا۔ لہٰذا اس نے پہلو بچانے کے لیے یہ تدبیر کی کہ خفیہ طور پر ایک شخص کو بھیجا جس نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں یہ خبریں مشہور کرنی شروع کیں کہ اب کے سال قریش نے بڑی زبردست تیاری کی ہے اور ایسا بھاری لشکر جمع کر رہے ہیں جس کا مقابلہ تمام عرب میں کوئی نہ کر سکے گا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان خوف زدہ ہو کر اپنی جگہ رہ جائیں اور مقابلے پر نہ آنے کی ذمّہ داری انھی پر رہے۔ ابوسفیان کی اس چال کا یہ اثر ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بَدر کی طرف چلنے کے لیے مسلمانوں سے اپیل کی تو اس کا کوئی ہمت افزا جواب نہ ملا۔ آخرکار اللہ کے رسولؐ نے بھرے مجمع میں اعلان کر دیا کہ اگر کوئی نہ جائے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔ اس پر ۱۵ سو فدا کار آپؐ کے ساتھ چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپؐ انھی کو لے کر بدر تشریف لے گئے۔ اُدھر سے ابوسفیان دو ہزار کی جمعیّت لے کر چلا مگر دو روز کی مُسافَت تک جا کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس سال لڑنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، آیندہ سال آئیں گے۔ چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی واپس ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ روز تک بدر کے مَقام پر اس کے انتظار میں مقیم رہے اور اس دَوران میں آپؐ کے ساتھیوں نے

اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ

اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہ رکھے، اور بالآخر ان کو سخت سزا ملنے والی ہے۔ جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہیں، وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں، اُن کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ یہ ڈھیل جو ہم انھیں دیے جاتے ہیں، اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انھیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارِ گناہ سمیٹ لیں، پھر اُن کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت پائے جاتے ہو۔[۱۲۵] وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر کے رہے گا۔ مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مُطّلع کر دے۔[۱۲۶] غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسُولوں میں سے جس کو چاہتا ہے

ایک تجارتی قافلے سے کاروبار کر کے خوب مالی فائدہ اُٹھایا۔ پھر جب یہ خبر معلوم ہوگئی کہ کفار واپس چلے گئے تو آپ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

۱۲۵ – یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت کو اس حال میں دیکھنا پسند نہیں کرتا کہ ان کے درمیان سچے اہلِ ایمان اور منافق، سب خلط ملط رہیں۔

۱۲۶ – یعنی مومن و منافق کی تمیز نمایاں کرنے کے لیے اللہ یہ طریقہ اختیار نہیں کیا کرتا کہ غیب سے مسلمانوں کو

رُسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ وقف لازم

منتخب کر لیتا ہے۔ لہٰذا (اُمورِ غیب کے بارے میں) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان اور خدا ترسی کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں، وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بُری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں، وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے[۱۲۷] اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔ ع

اللہ نے اُن لوگوں کا قول سُنا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں[۱۲۸]۔ ان کی

دلوں کا حال بتا دے کہ فلاں مومن ہے اور فلاں منافق، بلکہ اس کے حکم سے ایسے امتحان کے مواقع پیش آئیں گے جن میں تجربے سے مومن اور منافق کا حال کُھل جائے گا۔

۱۲۷ – یعنی زمین و آسمان کی جو چیز بھی کوئی مخلوق استعمال کر رہی ہے، وہ دراصل اللہ کی مِلک ہے اور اس پر مخلوق کا قبضہ و تصرُّف عارضی ہے۔ ہر ایک کو اپنے مقبوضات سے بہرحال بے دخل ہونا ہے اور آخرکار سب کچھ اللہ ہی کے پاس رہ جانے والا ہے۔ لہٰذا عقل مند ہے وہ جو اس عارضی قبضے کے دَوران میں اللہ کے مال کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر صَرف کرتا ہے۔ اور سخت بے وقوف ہے وہ جو اسے بچا بچا کر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾

یہ باتیں بھی ہم لکھ لیں گے، اور اس سے پہلے جو وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں وہ بھی ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے۔ (جب فیصلے کا وقت آئے گا اُس وقت) ہم ان سے کہیں گے کہ لو، اب عذابِ جہنّم کا مزا چکھو، یہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، اللہ اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے۔

جولوگ کہتے ہیں: ''اللہ نے ہم کو ہدایت کر دی ہے کہ ہم کسی کو رسُول تسلیم نہ کریں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ کرے جسے (غیب سے آکر) آگ کھا لے''، اُن سے کہو: ''تمھارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے اور وہ نشانی بھی لائے تھے جس کا تم ذکر کرتے ہو، پھر اگر (ایمان لانے کے لیے یہ شرط پیش کرنے میں) تم سچّے ہو تو اُن رسُولوں کو تم نے کیوں قتل کیا؟''[۱۲۹]

---

۱۲۸ – یہ یہودیوں کا قول تھا۔ قرآنِ مجید میں جب یہ آیت آئی کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا، ''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے''، تو اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے یہودیوں نے کہنا شروع کیا کہ جی ہاں، اللہ میاں مفلس ہو گئے ہیں، اب وہ بندوں سے قرض مانگ رہے ہیں۔

۱۲۹ – بائبل میں متعدّد مقامات پر یہ ذکر آیا ہے کہ خدا کے ہاں کسی قربانی کے مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ غیب سے ایک آگ نمودار ہو کر اسے بھسم کر دیتی تھی۔ (قُضاۃ ۶: ۲۰–۲۱ و ۱۳: ۱۹–۲۰) نیز یہ ذکر بھی بائبل میں آتا ہے

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

اب اے محمدؐ! اگر یہ لوگ تمھیں جھُٹلاتے ہیں تو بہت سے رسول تم سے پہلے جھٹلائے جاچکے ہیں جو کُھلی کُھلی نشانیاں اور صحیفے اور روشنی بخشنے والی کتابیں لائے تھے۔ آخرکار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پُورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنّت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دُنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔[۱۳۰]

مسلمانو! تمھیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی، اور تم اہلِ کتاب

کہ بعض مواقع پر کوئی نبی سوختنی قربانی کرتا تھا اور ایک غیبی آگ آکر اُسے کھالیتی تھی۔ (اَحبار ۹:۲۴۔ ۲-تواریخ ۷: ۱-۲) لیکن یہ کسی جگہ بھی نہیں لکھا کہ اس طرح کی قربانی نبوّت کی کوئی ضروری علامت ہے، یا یہ کہ جس شخص کو یہ معجزہ نہ دیا گیا ہو، وہ ہرگز نبی نہیں ہوسکتا۔ یہ محض ایک من گھڑت بہانہ تھا جو یہودیوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے کے لیے تصنیف کرلیا تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کران کی حق دشمنی کا ثبوت یہ تھا کہ خود انبیائے بنی اسرائیل میں سے بعض نبی ایسے گزرے ہیں جنھوں نے آتشیں قربانی کا یہ معجزہ پیش کیا اور پھر بھی یہ جرائم پیشہ لوگ ان کے قتل سے باز نہ رہے۔ مثال کے طور پر بائبل میں حضرت الیاسؑ (ایلیاہ تِشبی) کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے بَعل کے پُجاریوں کو چیلنج دیا کہ مجمعِ عام میں ایک بیل کی قربانی تم کرو اور ایک کی قربانی میں کرتا ہوں۔ جس کی قربانی کو غیبی آگ کھالے وہی حق پر ہے۔ چنانچہ ایک خلقِ کثیر کے سامنے یہ مقابلہ ہوا اور غیبی آگ نے حضرت الیاسؑ کی قربانی کھائی۔ لیکن اس کا جو کچھ نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ اسرائیل کے بادشاہ کی بَعل پرست ملکہ حضرت الیاسؑ کی دشمن ہوگئی، اور وہ زن پرست بادشاہ اپنی ملکہ کی خاطر اُن کے قتل کے درپے ہوا اور ان کو مجبوراً مُلک سے نکل کر جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ (۱-سلاطین، باب ۱۸ و ۱۹)

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ

اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سُنو گے۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو[۱۳۱] تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔ اِن اہلِ کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمھیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہو گا، انھیں پوشیدہ رکھنا نہیں[۱۳۲] ہو گا۔ مگر انھوں نے کتاب کو پسِ پُشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر

اسی بنا پر ارشاد ہُوا ہے کہ حق کے دشمنو! تم کس مُنہ سے آتشیں قربانی کا معجزہ مانگتے ہو؟ جن پیغمبروں نے یہ معجزہ دکھایا تھا، انھی کے قتل سے تم کب باز رہے۔

۱۳۰ – یعنی اس دنیا کی زندگی میں جو نتائج رونما ہوتے ہیں، انھی کو اگر کوئی شخص اصلی اور آخری نتائج سمجھ بیٹھے اور اُنھی پر حق و باطل اور فلاح وخُسران کے فیصلے کا مدار رکھے تو درحقیقت وہ سخت دھوکے میں مُبتلا ہو جائے گا۔ یہاں کسی پر نعمتوں کی بارش ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہی حق پر بھی ہے اور اسی کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیّت بھی حاصل ہے۔ اور اسی طرح یہاں کسی کا مصائب ومشکلات میں مبتلا ہونا بھی لازمی طور پر یہ معنیٰ نہیں رکھتا کہ وہ باطل پر ہے اور مردود بارگاہِ الٰہی ہے۔ اکثر اوقات اس ابتدائی مرحلے کے نتائج اُن آخری نتائج کے برعکس ہوتے ہیں جو حیاتِ اَبدی کے مرحلے میں پیش آنے والے ہیں۔ اور اصل اعتبار اُنھی نتائج کا ہے۔

۱۳۱ – یعنی اُن کے طعن وتشنیع، اُن کے الزامات، اُن کے بے ہُودہ طرزِ کلام اور اُن کی جھوٹی نشر واشاعت کے مقابلے میں بے صبر ہو کر تم ایسی باتوں پر نہ اُتر آؤ جو صداقت وانصاف، وقار وتہذیب اور اَخلاقِ فاضلہ کے خلاف ہوں۔

۱۳۲ – یعنی انھیں یہ تو یاد رہ گیا کہ بعض پیغمبروں کو آگ میں جلنے والی قربانی بطور نشان کے دی گئی تھی، مگر یہ یاد نہ رہا کہ اللہ نے اپنی کتاب ان کے سُپرد کرتے وقت ان سے کیا عہد لیا تھا اور کس خدمتِ عُظمٰی کی ذمّہ داری ان پر ڈالی تھی۔

یہاں جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ذکر جگہ جگہ بائبل میں آتا ہے۔ خُصوصاً کتابِ اِستِثنا میں حضرت موسیٰؑ کی جو آخری تقریر نقل کی گئی ہے، اس میں تو وہ بار بار بنی اسرائیل سے عہد لیتے ہیں کہ جو احکام میں نے تم کو پہنچائے ہیں، اُنھیں

ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ

اُسے بیچ ڈالا۔ کتنا بُرا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔تم اُن لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف اُنھیں حاصل ہو جو فی الواقع انھوں نے نہیں کیے ہیں[۱۳۳]۔ حقیقت میں ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ زمین اور آسمان کا مالک اللہ ہے اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔ ع

زمین[۱۳۴] اور آسمانوں کی پیدایش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں

اپنے دل پر نقش کرنا، اپنی آیندہ نسلوں کو سکھانا، گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے اور اُٹھتے، ہر وقت ان کا چرچا کرنا، اپنے گھر کی چوکھٹوں پر اور اپنے پھاٹکوں پر ان کو لکھ دینا۔ (۶: ۴-۹) پھر اپنی آخری وصیّت میں انھوں نے تاکید کی کہ فلسطین کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرنا کہ کوہِ عیبال پر بڑے بڑے پتھر نصب کر کے تورات کے احکام ان پر کَندہ کر دینا۔ (۲۷: ۲-۴) نیز بنی لاوِی کو تورات کا ایک نسخہ دے کر ہدایت فرمائی کہ ہر ساتویں برس عیدِ خیام کے موقع پر قوم کے مَردوں، عورتوں، بچّوں سب کو جگہ جگہ جمع کر کے یہ پُوری کتاب لفظ بلفظ ان کو سناتے رہنا۔ لیکن اس پر بھی کتاب اللہ سے بنی اسرائیل کی غفلت رفتہ رفتہ یہاں تک بڑھی کہ حضرت موسیٰؑ کے سات سو برس بعد ہیکلِ سلیمانی کے سجادہ نشین، اور یروشلم کے یہودی فرماں روا تک کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے ہاں تورات نامی بھی کوئی کتاب موجود ہے۔ (۲-سلاطین ۲۲: ۸-۱۳)

۱۳۳ – مثلاً وہ اپنی تعریف میں یہ سُننا چاہتے ہیں کہ حضرت بڑے متقی ہیں، دین دار اور پارسا ہیں، خادمِ دین ہیں، حامیِ شرعِ متین ہیں، مُصلح و مُزکّی ہیں، حالانکہ حضرت کچھ بھی نہیں۔ یا اپنے حق میں یہ ڈھنڈورا پٹوانا چاہتے ہیں کہ فُلاں صاحب بڑے ایثار پیشہ اور مخلص اور دیانت دار رہنما ہیں اور انھوں نے ملّت کی بڑی خدمت کی ہے، حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔

۱۳۴ – یہ خاتمۂ کلام ہے۔ اس کا ربط اُوپر کی قریبی آیات میں نہیں بلکہ پوری سورت میں تلاش کرنا چاہیے۔

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ

اُن ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔[۱۳۵] (وہ بے اختیار بول اُٹھتے ہیں:) ”پروردگار! یہ سب کچھ تُو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تُو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔[۱۳۶] پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے، تُو نے جسے دوزخ میں ڈالا، اسے درحقیقت بڑی ذلّت و رُسوائی میں ڈال دیا، اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سُنا جو ایمان کی طرف بُلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی،[۱۳۷] پس اے ہمارے آقا! جو قُصُور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما، جو بُرائیاں

اس کو سمجھنے کے لیے خُصوصیّت کے ساتھ سُورت کی تمہید کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۳۵ – یعنی ان نشانیوں سے ہر شخص بآسانی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ خدا سے غافل نہ ہو، اور آثارِ کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کرے۔

۱۳۶ – جب وہ نظامِ کائنات کا بغور مُشاہدہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ان پر کُھل جاتی ہے کہ یہ سراسر ایک حکیمانہ نظام ہے۔ اور یہ بات سراسر حِکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں اللہ نے اخلاقی حِس پیدا کی ہو، جسے تصرُّف کے اختیارات دیے ہوں، جسے عقل و تمیز عطا کی ہو، اُس سے اُس کی حیاتِ دنیا کے اعمال پر باز پُرس نہ ہو، اور اسے نیکی

عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّىۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى ۚ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ

ہم میں ہیں انھیں دُور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوندا! جو وعدے تُو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے کیے ہیں، اُن کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رُسوائی میں نہ ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔[۱۳۸]"

جواب میں ان کے رب نے فرمایا: "میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دُوسرے کے ہم جنس ہو۔[۱۳۹] لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے، اُن کے سب قصور میں

پر جزا اور بدی پر سزا نہ دی جائے۔ اس طرح نظامِ کائنات پر غور وفکر کرنے سے اُنھیں آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی سزا سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔

۱۳۷ – اِسی طرح یہی مشاہدہ اُن کو اس بات پر بھی مطمئن کر دیتا ہے کہ پیغمبر اس کائنات اور اس کے آغاز وانجام کے متعلق جو نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں اور زندگی کا جو راستہ بتاتے ہیں، وہ سراسر حق ہے۔

۱۳۸ – یعنی انھیں اس امر میں تو شک نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کرے گا یا نہیں۔ البتہ تردُّد اس امر میں ہے کہ آیا ان وعدوں کے مصداق ہم بھی قرار پاتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ان وعدوں کا مصداق ہمیں بنا دے اور ہمارے ساتھ انھیں پورا کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو ہم پیغمبروں پر ایمان لا کر کُفّار کی تضحیک اور طعن وتشنیع کے ہدف بنے ہی ہیں، قیامت میں بھی اِن کافروں کے سامنے ہماری رسوائی ہو اور وہ ہم پر پھبتی کسیں کہ ایمان لا کر بھی اِن کا بھلا نہ ہوا۔

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

الثلثة

معاف کردوں گا اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اُن کی جزا ہے اللہ کے ہاں، اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے[۱۴۰]۔''

اے نبیؐ! دنیا کے ملکوں میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت تمھیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لُطف ہے، پھر یہ سب جہنّم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی طرف سے یہ سامانِ ضیافت ہے ان کے لیے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لیے وہی سب سے بہتر ہے۔ اہلِ کتاب میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں، اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمھاری طرف بھیجی گئی ہے اور

۱۳۹ – یعنی تم سب انسان ہو اور میری نگاہ میں یکساں ہو۔ میرے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ عورت اور مرد، آقا اور غلام، کالے اور گورے، اُونچ اور نیچ کے لیے انصاف کے اُصول اور فیصلے کے معیار الگ الگ ہوں۔

۱۴۰ – روایت ہے کہ بعض غیر مسلم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰؑ عصا اور یدِ بیضا لائے

اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

اُس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے خود ان کی طرف بھیجی گئی تھی، اللہ کے آگے جُھکے ہوئے ہیں، اور اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ نہیں دیتے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ حساب چُکانے میں دیر نہیں لگاتا۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ[۱۴۱]، حق کی خدمت کے لیے کمربستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اُمید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ ع

تھے۔ عیسیٰؑ اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے۔ دوسرے پیغمبر بھی کچھ نہ کچھ معجزے لائے تھے۔ آپؐ فرمائیں کہ آپؐ کیا لائے ہیں؟ اس پر آپؐ نے اس رُکوع کے آغاز سے یہاں تک کی آیات تلاوت فرمائیں اور ان سے کہا: میں تو یہ لایا ہوں۔

۱۴۱ — اصل عربی متن میں صَابِرُوْا کا لفظ آیا ہے۔ اس کے دو معنیٰ ہیں: ایک، یہ کہ کفار اپنے کفر پر جو مضبوطی دکھا رہے ہیں اور اس کو سربلند رکھنے کے لیے جو زحمتیں اُٹھا رہے ہیں، تم ان کے مقابلے میں ان سے بڑھ کر پامردی دکھاؤ۔ دُوسرے، یہ کہ ان کے مقابلے میں ایک دُوسرے سے بڑھ کر پامردی دکھاؤ۔